تقریباً چند لمحوں تک نمریتا سے بولا ہی نہیں گیا۔ پھر جب بولی تو اکھڑے ہوئے سانسوں میں آدھے ادھورے لفظوں میں کہا۔

’’جس..... پال ..... جلدی نکلو ..... بھاری تعداد میں پولیس نیچے آ چکی ہے۔‘‘

’’ہم نکلیں گے کہاں سے؟‘‘ جسپال سوچتے ہوئے اس سے پوچھا تو نمریتا نے انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

’’اوپر.....اوپر، چھت پر سے..... آؤ۔‘‘

یہ کہہ کر وہ بھاگتے ہوئے تیزی سے واپس پلٹ گئی۔ جسپال اس کے پیچھے بھاگا' وہ آگے پیچھے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چھت پر آ گئے۔ وہ ساری چھتیں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک تھیں۔ انہوں نے نیچے جھانکنے کی زحمت نہیں کی بلکہ عقب میں جو چھت تھی اس پر کود گئے۔ ایک کے بعد اگلی اور پھر اس سے اگلی چھت پر کودتے ہوئے وہ اپنی عمارت سے کافی دور نکل آئے۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ ان کے لئے یہ تھا کہ وہ یہاں سے سڑک تک کیسے جائیں۔ تبھی جسپال نے ایک لمحے کو سوچا، پھر ادھر اُدھر تاکا۔ وہ جس چھت پر تھے اس کی سیڑھیاں دکھائی دے رہی تھیں' تبھی جسپال نے کہا۔

’’ہمیں اس طرح چھتیں کودتے ہوئے پولیس دیکھ سکتی ہے۔‘‘ اس کے ساتھ ہی اس نے نیچے اترتی سیڑھیوں کی جانب اشارہ کیا۔

’’تمہارا کیا خیال ہے' گرو کا نام لیں اور.....‘‘ باقی فقرہ نمریتا نے اشارے سے مکمل کر دیا۔

’’نکل' جسپال نے کہا تو وہ دونوں سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔ دوسری منزل پہ کوئی نہیں تھا۔ اس لیے وہ اگلی سیڑھیاں بھی اتر گئے جو صحن میں کھلیں۔ وہاں سامنے ہی تخت پر ایک بوڑھی عورت بیٹھی ہوئی تھی' اس کے قریب ایک جوان سی عورت کے پاس چھوٹا بچہ کھیل رہا تھا۔ ان دونوں کو اچانک یوں اپنے سامنے دیکھ کر جوان عورت کی چیخ نکل گئی۔ جسپال نے وہاں کھڑے ہو کر بحث کرنا فضول سمجھا۔ انہیں سمجھانا وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا' جبکہ ان کے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ جسپال نے نمریتا کا بازو پکڑا اور باہر کی جانب نکلتا چلا گیا۔ وہ عورت گھگھیانے والے انداز میں چور چور کا شور مچانے لگی تھی۔ ڈیوڑھی میں جسپال نے نمریتا کو سمجھایا۔

’’ہم دونوں یہاں سے نکلتے ہی مخالف سمت میں ہو جائیں گے۔ بالکل نارمل انداز میں۔‘‘

’’اوکے.....!‘‘ اس نے کہا پھر چند لمحے بعد وہ ڈیوڑھی سے باہر نکل کر دروازہ پار کر گئے۔ ان کے سامنے ایک کھلا بازار تھا، جو کافی بڑا تھا اور اس پر خاصی ٹریفک رواں دواں تھی۔ وہی بازار کا مخصوص شور تھا۔ اس کی قریب سے سائیکل رکشہ اور موٹر رکشہ والے گزر رہے تھے مگر وہ تیزی سے سڑک کراس کر گیا۔ وہ سکون سے چلتے ہوئے اگلا موڑ مڑ گیا۔ وہاں سے بھی اس نے سڑک پار کی اور ایک جگہ کھڑے رکشوں میں سے ایک رکشہ منتخب کر کے اس کے پاس گیا۔

’’ریلوے اسٹیشن چلو گے؟‘‘

’’جائیں گا بھائی۔‘‘ اس نے کہا تو جسپال سوار ہوتے ہوئے بولا۔

''چل پھر......! جا نا ذرا جلدی' بندہ کہیں گاڑی ہی نہ چڑھ جائے' اسے واپس لانا ہے۔''

''تیز چلنے کے ایکسٹرا پیسے ہوں گے' ابھی پہنچا دیتا ہوں۔''

''اب چلو بھی......جتنی جلدی پہنچاؤ گے اتنا خوش کر دوں گا۔'' جسپال نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ چل پڑا۔ جالندھر کی چند سڑکوں کو چھوڑ کر باقی ساری ایسی ہیں جن پر اگر رکشے میں سفر کیا جائے تو سارے جوڑ ہل جائیں۔ رکشے والا تیزی سے رکشہ چلائے جا رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کن راستوں سے کدھر جا رہا ہے۔ وہ چپ چاپ بیٹھا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ سوچنا چاہ رہا تھا کہ پولیس اس تک کیسے پہنچی' مگر دماغ اس کا ساتھ نہیں دے پا رہا تھا۔ اس نے اس سوچ کو ایک طرف رکھا اور سامنے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد جب رکشہ رکا تو اسے سامنے جالندھر اسٹیشن کی عمارت دکھائی دینے لگی۔ وہی انگریز دور کی طرز تعمیر تھی جس پر ہندی اور پنجابی کے سائن بورڈ لگے ہوئے تھے۔ جسپال نے رکشے سے اتر کر بڑا نوٹ جیب سے نکالا اور پھر اسے دیتا ہوا بولا۔

''لو جی' باقی پیسے دے دو۔''

وہ چاہتا تو سارے ہی پیسے اسے دے کر جا سکتا تھا لیکن وہ کسی کو بھی شک نہیں ہونے دے رہا تھا کہ اسے کوئی کسی حوالے سے یاد بھی رکھے۔ باقی پیسے لے کر اس نے بغیر گنے جیب میں ڈال لیے اور پھر عمارت کی جانب چل پڑا۔ عمارت کے اندر جا کر اسے احساس ہوا کہ ٹکٹ لینے والی جگہ تو اسے دکھائی دے گئی ہے لیکن اسے ابھی چندی گڑھ کی گاڑی مل بھی جائے گی یا انتظار کرنا پڑے گا؟ یہ معلومات اسے کہاں سے لینا تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تا کہ کسی سے پوچھ سکے' تبھی اسے ایک قلی دکھائی دیا۔ وہ اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس کا فون بج اٹھا۔

''میں منالی ہوں جسپال......! تمہاری دوست......رُکو میں آ رہی ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔ جسپال نے فون بند کر کے ادھر ادھر دیکھا' سامنے ہی سفید شلوار قمیص اور بڑے سارے آنچل کے ساتھ' کھلے بال اور اس پر مرکوز آنکھوں کی ساتھ وہ خوابیدہ دکھائی دینے والی لڑکی چلتی چلی آ رہی تھی۔ اگرچہ اس نے سادہ سا لباس پہن رکھا تھا مگر وہ اس میں خوب جچ رہی تھی۔ وہ اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی' پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی پھر چند لمحوں بعد اس سے الگ ہو کر بولی۔

''تم پریشان ہوں گے کہ پولیس تم تک کیسے پہنچ گئی۔ اس کی وجہ تمہارا یہ سیل فون ہے۔ وہ اب بھی کچھ دیر بعد تم تک پہنچ سکتی ہے' لہٰذا اسے مجھے دو۔''

جسپال اس کے معصوم چہرے سے نگاہیں ہٹا ہی نہیں پا رہا تھا' اس نے اپنا سیل فون یوں اس کی جانب بڑھا دیا جیسے کوئی معمول اپنے عامل کا حکم مانتا ہے۔ اگلے ہی لمحے ایک نوجوان ان کے قریب آیا تو منالی نے وہ فون اسے دے دیا۔ پھر بڑی ادا سے بولی۔

''اب وہ تمہیں جالندھر ہی میں تلاش کرتے رہیں گے' کیونکہ تمہارا فون ادھر ہی رہے گا۔ رابطے ختم' چندی گڑھ سے نئے رابطے ہوں گے۔''

''ٹرین جائے گی کب......؟'' جسپال نے رعب حسن سے مغلوب ہوتے ہوئے کہا۔

''ابھی کچھ دیر میں......آ ؤ......''اس نے جسپال کا ہاتھ پکڑا تو اسے لگا جیسے کسی نے ریشم کے گالے نے اُسے چھوا ہے'وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔سامنے پلیٹ فارم پر لوگ گاڑی کی آمد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔کچھ ہی دیر بعد ٹرین پلیٹ فارم پر آن رُکی۔وہ ایک ڈبے میں سوار ہوگئے۔وہ اے سی کمپارٹ تھا۔اس نے جسپال کو سامنے بیٹھنے کو کہا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئی۔چند منٹ بعد ٹرین نے وسل دی تو جسپال کو احساس ہوا'تبھی اس نے پوچھا۔

''کیا ہم دونوں ہی ہیں......؟''

''کچھ لوگ ہیں ہمارے ساتھ......فکر نہیں کرو'پرسکون ہو جاؤ۔''لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ دو نوجوان ان کے پاس آئے'ان کے پاس کچھ سامان تھا۔وہ انہوں نے رکھا اور واپس پلٹ گئے۔

''کچھ کھاؤ پیو گے جسپال؟''

''ہاں۔''اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو منالی اسی سامان کی طرف اٹھ گئی'ٹرین چل پڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

دوپہر ہو چکی تھی۔پیرزادہ وقاص کی طرف سے کافی سے زیادہ بندے آ گئے تھے۔ان میں سے چند واپس چلے گئے تھے۔وہ اپنے ساتھ اس بوڑھے اور دونوں لڑکیوں کو بھی لے گئے تھے۔میں نے وہاں ڈیرے کے فون سے شاہ زیب سے رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی'لیکن اس نے وہ فون ہی نہیں اٹھایا جو ڈیرے کے نمبروں سے آ رہا تھا۔اس سے مجھے یہ یقین ہو گیا کہ شاہ زیب کو ڈیرے پر قبضے کے بارے میں علم ہو چکا ہے۔وہیں ڈیرے پر کافی مال ڈنگر بندھے ہوئے تھے۔میں نے وہ سارے کھول دیئے'اس کا مطلب تھا کہ وہ جس کے بھی ہاتھ لگتے'چار دن ان کا فائدہ ضرور لیتے'اگر واپس کا مطالبہ نہ کیا گیا تو وہ مویشی انہی کے ہو جانے تھے۔میں نے چاچے بیرو سے بکرے ذبح کرنے کو کہا تھا'اس لیے دوپہر کے وقت اچھا خاصا کھانا سب لوگوں کے لیے تیار ہو گیا۔ہم سبھی نے ایک ہال میں کھانا کھایا'پھر میں جانی شوکر اور طلحہ مانڈی'شاہ زیب والے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے'باقی سب اپنی اپنی پوزیشن پر بیٹھ گئے'تبھی جانی شوکر نے کہا۔

''جمالے......!ایک بات کہوں'لیکن اس کا جواب تم بہت سوچ سمجھ کر دینا۔''

''ہاں بولو۔!''میں نے اس کے لہجے پر چونکتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں سرداروں کا یہ ڈیرہ ہمارے لیے محفوظ نہیں ہے'تمہارا کیا خیال ہے'اس میں شاہ زیب کی بے عزتی نہیں ہے کہ ہم اس کے ڈیرے پر قبضہ کر کے بیٹھے ہیں۔''

''بالکل!بڑی عزتی ہے'علاقے میں تو شور مچ گیا ہوا ہے کہ جمالے نے سرداروں کو دبا کر رکھ دیا ہے۔آج اس نے ڈیرے پر قبضہ کر لیا ہے'کل وہ حویلی پر قبضہ کر لے گا۔''طلحہ مانڈی نے دیدے پھیرتے ہوئے کہا تو میں نے جانی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تو کہنا کیا چاہتا ہے؟''

''شاہ زیب چاہے سامنے نہ آئے' لیکن وہ اپنے بندوں کی مدد سے اور پولیس کی مدد سے ڈیرے پر سے قبضہ ضرور واپس لے گا۔ آج نہیں کل' ہم زیادہ دیر تک اس پر قبضہ نہیں جما سکتے۔ اور پھر وہ بندے جو یہاں سے بھاگ کر گئے ہیں ان میں پتہ نہیں کون زندہ ہے' کون مر گیا ہے' وہ بھی اپنے ہی گلے پڑیں گے۔ میرے خیال میں ہم جتنی جلدی یہاں سے نکل سکیں' نکل جائیں' کہیں ہم بھی اس چوہے دان میں نہ پھنس جائیں۔''

''بات تو تیری ٹھیک ہے' ہم نکل جاتے ہیں لیکن یہاں سے نکلنے کے بعد جائیں گے کہاں؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''بہتیرے ڈیرے ہیں' ابھی شام ہونے میں آدھا دن پڑا ہے۔ سرداروں کی گاڑیاں ہیں' ان پر انہی کا اسلحہ لادتے ہیں اور کہیں بھی ٹھکانہ بناتے ہیں۔''

''چل ٹھیک ہے۔ پھر تھوڑی دیر کیوں' ابھی نکلتے ہیں۔'' میں نے کہا اور پیرزادہ وقاص کو فون کر کے موجودہ صورت حال کے بارے میں بتایا تو وہ بولا۔

''شام تک اس علاقے میں رہو' میرا مطلب ہے گاؤں اور اس کے اردگرد' شام پڑتے ہی چوہدری شاہنواز کے ڈیرے پر یا سیدھے میرے پاس میران شاہ آ جانا' میں یہ تھوڑا سا وقت وہاں گزارنے کے لیے کیوں کہہ رہا ہوں؟ اس کی وجہ ہے' پورے علاقے میں تیری دھاک بیٹھ گئی ہے کہ جمال سرداروں کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے۔ اور سمجھو کہ آج کے دن سے تم دہشت کی علامت بن گئے ہو۔ شاہ زیب کو احساس ہونا چاہیے کہ تم اسی علاقے میں ہو۔ اس پر خوف طاری رہے اور اپنے بچاؤ کے لیے بھاگتا پھرے۔''

''میں ساری بات سمجھتا ہوں پیرزادہ' ٹھیک ہے۔ اب اسے صرف میرے اشارے پر ناچنا ہو گا'' میں نے کہا اور فون رکھ دیا۔ نجانے کیوں مجھے اس کی باتیں اچھی نہیں لگی تھیں۔ ایک احساس ہوا کہ جیسے وہ اب مجھے صرف اور صرف اپنا مہرہ خیال کر رہا ہے اور مجھے اپنے طور پر چلانے کی کوشش کر رہا ہے' اتنی بات تو میں سمجھتا تھا کہ پورے علاقے میں یہ خبر تو جنگل کی آگ کی مانند پھیل گئی ہو گی میں یہی سوچنے لگا۔

''کیا سوچنے لگے ہو؟'' جانی شوکر نے پوچھا تو میں اپنے خیالات سے باہر آ گیا۔

''کچھ نہیں' چلو اٹھو نکلو......'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد ہم سب ڈیرے کے صحن میں آ گئے۔ سارا اسلحہ نکال کر ایک فور وہیل گاڑی میں رکھ دیا۔ سبھی لوگ باہر آ گئے۔ میں نے چند ہینڈ گرینڈ اپنے پاس رکھ لیے تھے۔ چاچا ہیرو یہ سب دیکھ رہا تھا۔ تبھی میں نے اس سے کہا۔

''چاچا...... باہر آ جا۔''

وہ چپ چاپ باہر آ گیا اور پھر اس کچے راستے پر چل دیا جو پکی سڑک پر جاتا تھا۔ جو حویلی کے سامنے سے ہو کر قصبے کو جاتی تھی۔ جس کے دوسری طرف ہمارا گاؤں نور نگر تھا۔ میں نے انتہائی تیزی کے ساتھ مختلف کمروں میں ہینڈ گرینڈ پھینکنا شروع کر دیے۔ اس وقت میں ڈیوڑھی میں تھا جب پہلا گرینڈ پھٹا۔ میں بھاگ کر جیپ میں سوار ہوا تھا۔ باقی لوگ دور نکل گئے تھے۔ میرے بیٹھتے ہی جیپ چل دی۔ تبھی یکے بعد دیگرے وہاں دھماکے ہونے لگے۔ سڑک پر جا کر میں نے ایک نگاہ ڈیرے پر ڈالی تو وہ کھنڈر بن چکا تھا' اور کئی کمروں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

مجھے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ ان دھماکوں کی آواز گاؤں میں ضرور سنی گئی ہوگی۔ ہم سڑک پر رُکے تو میں نے طلحہ مانڈی کو اپنے پاس بلا کر کہا۔

''اب تم جاؤ واپس......''

''کیا اب ہماری ضرورت نہیں رہی؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''میرے خیال میں نہیں...... پیرزادہ کو میرا شکریہ کہنا اور بتانا کہ جلد ہی میں اسے ملنے کے لیے آؤں گا۔ آج رات کے بعد کسی وقت......'' میں نے اس سے کہا۔

''جیسے تیری مرضی جمالے...... مگر ابھی خطرہ ٹلا تو نہیں ہے۔'' طلحہ مانڈی بولا۔

''اب میرے لیے ہر وقت خطرہ ہی خطرہ ہے۔ کب تک سہارے تلاش کروں گا۔'' میں نے کہا تو اس نے چند لمحے میری طرف دیکھا اور پھر پلٹ کر اپنے لوگوں کے پاس چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر سڑک کی مخالف سمت چل دیا۔ جانی شوکر اپنی بائیک پر تھا' وہ آگے چل پڑا۔ میں جیپ لے کر اس کے پیچھے چلا۔ کچھ ہی دیر بعد ہم سڑک پر چلتے ہوئے وہاں آگئے جہاں حویلی کو راستہ مڑتا تھا۔ وہاں گیٹ پر خاصی ہلچل تھی' مگر وہ لوگ خاصے دور تھے۔ ظاہر ہے ان میں شاہ زیب نہیں تھا۔ میں آگے بڑھ گیا۔ میرا رُخ اب گاؤں کی طرف تھا' جانی شوکر پہلے ہی گاؤں میں مڑ چکا تھا۔

میں نے جاتے ہی چھاکے کے گھر کے آگے گاڑی روکی۔ وہ واپس آ چکا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی میرے ساتھ آ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''یہ جیپ تو سرداروں کی ہے۔ یہ دھماکے تو نے ہی کیے ہیں نا۔'' اس نے تصدیق کرنے والے انداز میں پوچھا تو میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں......! ان کا ڈیرہ جلا دیا میں نے۔''

''اب حویلی......؟'' اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔ تبھی میں نے پوچھا۔

''دیکھتے ہیں' پر تو مجھے اماں اور سوہنی کے بارے میں بتا۔''

''یہاں سے چل۔ دلبر کے ڈیرے پر۔''

''پیچھے دیکھو۔ اسے بھی سنبھالنا ہے۔'' میں نے اس کی توجہ اسلحہ کی طرف دلائی تو وہ دیکھ کر بولا۔

''اس کو سنبھال لیتے ہیں تو اُدھر چل۔''

میں نے جیپ اُدھر بڑھا دی' تب وہ مجھے بتانے لگا۔

''ہم رات کے آخری پہر لاہور پہنچ گئے تھے۔ وہ اپنی اس کوٹھی میں نہیں گئی' جہاں پہلے رہتی تھی' بلکہ ماڈل ٹاؤن میں چلی گئی ہے۔ جہاں پہلے ہی کوئی ماضی کی فلمی اداکارہ رہتی ہے۔ اس نے مجھے وہاں کا سارا پتہ ٹھکانہ سمجھایا ہے' اپنا نمبر دیا ہے' جس سے اب رابطہ ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں وہ وہاں پر محفوظ ہے۔''

''تو کہتا ہے تو میں یقین کر لیتا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس دیا۔ ہم اس خوشگوار موڈ میں دلبر کے کنویں پر جا پہنچے۔ جہاں معمول کے مطابق کافی سارے لوگ بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ نعرے مار کر اٹھ بیٹھے۔ انہوں نے تاش ایک طرف پھینک دی تھی۔ وہ خوشی کا اظہار اس لیے کر رہے تھے کہ میں نے شاہ زیب کو دن میں تارے دکھا دیئے اور اسے ناچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ میرا گھر تو جلا بیٹھا اب بزدلوں کی طرح اپنا علاقہ اور حویلی چھوڑ کر بھاگا ہوا ہے۔

فتح ہمیشہ وقتی ہوتی ہے' اس کا دورانیہ چاہے جتنا طویل ہو' کیونکہ اس میں ہمیشہ شکست کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ تاہم جدوجہد میں نہ صرف لذت ہے بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی مقصد شامل ہوتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی جستجو میں انسان کامیابیاں حاصل کرتا ہے۔ یوں فتح اور کامیابی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس وقت وہ لوگ میری فتح اور جرات مندی کی باتیں کر رہے تھے لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ سب فضول ہے۔ میرا مقصد سردار شاہ دین کو ختم کرنا تھا۔ وہ کر دیا لیکن اس کے بعد میں جو کچھ بھی کر رہا تھا' یہ مجھے کسی اور ہی راستے پر لیے جا رہا تھا۔ کچھ دن بعد تک جب میں پولیس کے ہاتھ نہیں آؤں گا تو مجھے اشتہاری قرار دے دیا جائے گا اور پھر اپنی آخری سانس تک میں خود کو بچاتے گزار دوں گا۔ اشتہاری کی موت بھی اچھی نہیں ہوتی۔ یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ وڈیرے' جاگیردار اور یہ سردار یہی تو کرتے ہیں' جو بندہ بھی علاقے میں سر اٹھاتا ہے' اسے اپنی چھتر چھاؤں میں لے کر اشتہاری بنا دیتے ہیں۔ یہ کوئی مثبت رویہ نہیں' لیکن اس منفی رویے سے ان کی حاکمیت' قائم رہتی ہے۔ اب میں بھی اپنی جان بچانے اور شاہ زیب کو مارنے کی فکر میں تھا' پھر اس کے بعد ایک طویل جنگ تھی جو کسی نہ کسی کے ساتھ لڑتے رہنا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' چھاکے نے پوچھا۔

''یہی کہ اب شاہ زیب تک کیسے پہنچا جائے؟''

''اس کا پتہ بھی چل جائے گا۔ فی الحال اپنا کوئی ٹھکانہ تو بنائیں۔'' میں نے کہا۔

''چند دن تو یونہی گزارنا پڑیں گے۔ جتنے دن تک دوبارہ گھر نہیں بن جاتا' اتنے دن تو شاہ زیب کو تلاش کرنے میں بھی لگ جائیں گے۔'' چھاکے نے مجھے سمجھایا تو میں نے کہا۔

''اچھا یار! کوئی بندہ بھیدے کے گھر جائے' میں اپنے پرانے کپڑے اسے دیتا رہا ہوں۔ کوئی جائے اور کوئی صاف جوڑا تو لے آئے۔''

میرے کہتے ہی ایک نوجوان سائلز کا اٹھا اور بائیک پر سوار ہو کر گاؤں کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد وہاں خیال آرائی ہونے لگی کہ شاہ زیب کہاں ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان سب کا یہی خیال تھا کہ جب تک شاہ زیب والا معاملہ حل نہیں ہو جاتا' کہیں مستقل ٹھکانہ نہ رکھا جائے' بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے کسی کو ٹھکانے کے بارے میں علم ہی نہ ہو اور پھر اتنی بھیڑ بھی اپنے ساتھ نہ رکھے' وہ سب پورے خلوص سے مشورہ دے رہے تھے اور میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے' میں نے یہی سوچا کہ میں رات کے وقت اپنے نور نگر کے علاقے میں رہوں گا اور دن کے وقت کسی جگہ چھپ کے وقت گزاروں گا۔ مجھے صرف شاہ زیب کو ختم کرنا تھا۔ تب تک میرا نور نگر میں کوئی کام نہیں تھا۔ سو میں نہا دھو کر قصبے کی طرف نکل جانے کا ارادہ رکھتا تھا تاکہ وہ رات سہیل کے پاس گزاروں۔

میں نے وہیں ڈیرے پر نہا کر کپڑے بدلے اور تر و تازہ ہو گیا۔ اس وقت میں وہاں سے اٹھنے کے لیے پر تول رہا تھا کہ دور سے مجھے ایک موٹر سائیکل والا نوجوان آتا دکھائی دیا۔ اس کے پیچھے ہمارے گاؤں کا ایک بزرگ تھا جنہیں ہم نے پنچائیت کا رکن بنایا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے ہمارے قریب آتے چلے جا رہے تھے۔ میرے سمیت وہاں پر موجود ہر شخص کے ذہن میں یہ سوال تھا کہ یہ یہاں کیوں آ رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد انہوں نے ڈیرے پر موٹر سائیکل روکی اور وہ بزرگ ہمارے درمیان آ کر چار پائی پر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا تو سبھی ہمہ تن گوش ہو گئے۔

''دیکھ پتر جمال! ہم جانتے ہیں کہ شاہ زیب نے خواہ مخواہ تم سے دشمنی بنائی ہے۔ اس کی وجہ کچھ بھی رہی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں تمہارا نقصان ہوا اور تم دن بدن جرم کی راہ پر چلتے چلے جا رہے تھے۔ اس کے بعد ہو گا، کیا تم اشتہاری بن جاؤ گے اور تم موت کے خوف سے پہلے ہی مر جاؤ گے۔''

''لیکن اب میں کروں بھی کیا؟ میں اپنے آپ کو بھی نہ بچاؤں' میری ماں کدھر ہے؟ اس کا جواب ہے آپ کے پاس؟ اب میرے یا شاہ زیب کے درمیان دشمنی چل پڑی ہے' ہم میں سے کوئی ایک ختم ہو گا تو اس کا انجام ہو گا ورنہ نہیں۔''

''اس کی درمیانی راہ بھی نکل سکتی ہے۔ یہ دشمنی کسی کے ختم ہوئے بغیر بھی ختم ہو سکتی ہے۔'' بزرگ نے پورے خلوص سے کہا۔

''کیسے؟'' میں نے پوچھا۔

''بیٹا مجھے غلط مت سمجھنا' میں تمہیں ایک مشورہ دینے جا رہا ہوں' اس پر خوب سوچ لینا' پھر بات کرنا' میں نہیں کہتا کہ تم شاہ زیب سے معافی مانگ لو بلکہ شاہ زیب نے اپنے باپ کے قتل کا الزام اگر تم پر لگایا ہے تو اس کا سامنا کرو' تم نے اگر یہ گناہ نہیں کیا تو پھر نہیں کیا' یہ ثابت کر دو۔''

''بابا......! آپ پرانی باتیں کر رہے ہیں' میں جس رات حوالات میں تھا' اس رات شاہ زیب کے لوگوں نے میرے گھر کو جلایا' میں نے تو اس نیت سے خود کو پولیس کے حوالے کیا تھا' مگر وہاں کیا ہوا؟ میری گرفتاری تک نہیں ڈالی گئی' اور اگلے دن مجھے ماورائے عدالت ہی قتل کرنے کی سازش بنائی گئی تھی۔ انہوں نے یہ طے کر لیا کہ مجھے جان سے مارنا ہے تو پھر یونہی سہی۔ جن لوگوں نے میرے گھر کو جلایا تھا' ان سے تو میں نے بدلہ لے لیا۔ اب بس شاہ زیب باقی ہے۔''

''ڈیرے پر جو تم نے گولی چلائی ہے نا' اس میں دو بندے مر گئے ہیں' یہ قتل تمہارے سر ہو گئے ہیں۔ سردار شاہ دین کے قتل میں جو ہم سمجھتے ہیں کہ تم پر الزام ہے' اس سے تو بچ جاتے لیکن اب ان میں تم پولیس کو مطلوب ہو گئے ہو اور دن بدن تم اس دلدل میں پھنستے چلے جاؤ گے۔''

''اب پھر کیا ہو سکتا ہے؟'' میں نے اس بزرگ کا عندیہ معلوم کرنا چاہا۔ جواب تک اس نے نہیں بتایا تھا۔

''دیکھو! تم خود کو پولیس کے حوالے کر دو' تم قانونی جنگ لڑو' میں نہیں چاہتا کہ تم پولیس کے ہاتھوں کسی مقابلے میں مارے جاؤ' کیونکہ اس وقت پولیس نے پورے نور نگر کو گھیرا ہوا ہے' پولیس کو اسی وقت اطلاع ہو گئی تھی جب تم نے ڈیرے پر قبضہ کیا تھا۔ انہیں معلوم ہے کہ تم اس علاقے میں ہو نہ جانے انہیں یہ بھی معلوم ہو کہ تم اس ڈیرے پر موجود ہو۔ وہ گھیرا تنگ کریں گے' تم نکلنا چاہو گے اور وہ جو شاہ زیب چاہتا ہے' وہ ہو جائے گا۔''

''اور اگر جمالا یہاں سے نکل جائے تو......'' چھاکے نے کافی حد تک غصے میں کہا۔

''نکل گیا تو نکل گیا' کیا پھر خطرہ ٹل جائے گا۔ رسک ہے نا میرا پتر' جمالے کے ساتھ ان سب میں سے کسی کی جان بھی جا سکتی ہے۔'' بزرگ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بابا......! تو ہمیں ڈرانے آیا ہے یا پولیس کو پیغام لے کر' تیرا مقصد کیا ہے؟'' چھاکے نے پوچھا۔

''دوپہر سے پولیس گاؤں میں ہے' اردگرد کے علاقے کے کچھ معززین بھی وہیں موجود ہیں۔ آج یا کل جو بھی ہوا اس کی پورے علاقے کو خبر ہو چکی ہے' پہلے جو کچھ ہوا' وہ کیا تھا اس بارے میں ہم نہیں جانتے' لیکن اس بار اگر تو گرفتاری دے دیتا ہے تو یہ گرفتاری یونہی نہیں ہوگی' بہت کچھ طے کر کے یہ گرفتاری دی جائے گی۔ شاہ زیب کا گند، اب ہمی نے سمیٹنا ہے۔''

''مطلب' جمال جائے اور پولیس کو گرفتاری دے دے......'' چھاکے نے چونکتے ہوئے کہا۔

''اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے' ورنہ خواہ مخواہ میں خون خرابہ ہوگا اور اس کا حاصل کچھ بھی نہیں ہے۔'' بزرگ نے متانت سے کہا۔

''وہ کیا طے کریں گے۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ تو بتا دے۔ پھر بیٹھ کر اچھا ہی کریں گے۔ اب اس علاقے میں مزید خون ریزی برداشت نہیں ہو سکتی۔'' بزرگ نے سکون سے کہا۔

''ٹھیک ہے' میں سوچ کر بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ بزرگ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہم سب چوک میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک گھنٹے تک تیرا انتظار کریں گے' آ جاؤ تو ٹھیک' نہ آئے تو پھر ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں رہے گا۔''

''میں مشورہ کرتا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ چلا گیا۔ کچھ دیر تک ہر بندہ اپنی اپنی بولی بولنے لگا۔ ان سب کا خیال تھا کہ مجھے گرفتاری نہیں دینی چاہیے' اشتہاری ہوتا ہے تو ہو جائے' کیا شاہ زیب پھر اپنی خباثت نہیں دکھائے گا؟

''دکھائے گا' کیوں نہیں دکھائے گا' جمالے کی موت ہی اب اسے اس علاقے میں لے کر آئے گی' اب نجانے کہاں بیٹھ کر وہ پولس کو مہرے کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔'' میں نے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''تو بس پھر ٹھیک ہے' تو نکل یہاں سے' پولیس کو ہم الجھا لیتے ہیں۔ پورے علاقے میں ناچتی رہ جائے گی۔''

''لیکن یہ بھی تو سوچو کیا ہم علاقے کی مخالفت لے لیں گے۔ ایک شاہ زیب کی مخالفت ہے' اب وقت ہے کہ اگر علاقے کے معززین کی ہم بات مانتے ہیں تو کم از کم وہ ہماری پشت پر ہوں گے' ہماری محبت میں نہ سہی' شاہ زیب کی مخالفت ہی میں سہی' اگر ہم نے انہیں بھی ناراض کر لیا تو ہمارا اس علاقے میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے ایک بار علاقے والوں کی مان کر دیکھ لیں۔'' میں نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تو گرفتاری دے دے گا۔'' ایک نے پوچھا۔

''وہ تو ہے' ورنہ پولیس والی ذہنی اذیت تو چلتی ہی رہے گی' وہاں جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اب تو میری مرضی ہے نا کہ وہ میری گرفتاری لیتے ہیں یا نہیں۔ لاشوں کو تو ہتھکڑی پہنانے سے رہے۔'' میں نے دور تک سوچتے ہوئے کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو جمالے۔'' چھاکے نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو چلو پھر چلتے ہیں۔''

''نہیں' تم سب لوگ ادھر رہو گے' میں جاتا ہوں اکیلا' اگر میں گرفتار ہو گیا تو تھانے میں ملنے آ جانا' ورنہ شام تک میری قبر کا بندوبست کر لینا۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں ان سب کے گلے ملا' بائیک لی اور گاؤں کی جانب چل پڑا۔

سچائی اور مردانگی میں حقیقت سے انکار نہیں کیا جاتا' چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو۔ سازش کرنے والے وقتی کامیابی تو لے سکتے ہیں لیکن ان کے لیے دائمی شرمندگی اور شکست مقدر بن جاتی ہے' مرد وہی ہوتا ہے جو حقیقت کا سامنا کرے' سازشوں سے وقتی کامیابی لینے والے اپنے آپ کو مرد کہلانے کے حق دار نہیں۔ میں نے ایک لمحے میں فیصلہ کر لیا تھا کہ میں راہ فرار اختیار نہیں کروں گا' بلکہ حقیقت کا سامنا کروں گا۔ یہ حقیقت تھی کہ میں نے سردار شاہ دین کا قتل کیا۔ اس کے لیے میں نے خود کو پولیس کے حوالے بھی کر دیا تھا۔ میں نے خون کا بدلہ خون لے لیا تھا جو کبھی انہوں نے میرے باپ کو مارا تھا اور اپنی طاقت کے بل بوتے پر خود کو اس قتل سے مبرا قرار دلوا لیا۔ آج بھی کچھ میں ان کے ساتھ کر رہا تھا' وہ طاقت کے بل بوتے پر آج بھی مجھے گھیر رہے تھے اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ انہی کے ہتھیاروں سے انہی کو مات دوں گا۔ میں کب تک بھاگتا؟

گاؤں کے چوراہے میں برگد کے درخت تلے لوگوں کا رش لگا ہوا تھا۔ بہت سارے پولیس والے اور گاؤں کے عام لوگوں کے علاوہ چارپائیوں پر علاقے کے معززین بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک چارپائی پر وہی ڈی ایس پی موجود تھا جو مجھے گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ گاؤں کے بزرگ اور پیرزادہ وقاص بھی وہیں موجود تھا۔ میں نے سب کو سلام کیا اور ایک طرف پڑی خالی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ میری آمد پر جو ہلچل مچی تھی' اس پر سکوت طاری ہو گیا تھا۔ تبھی پولیس انسپکٹر اٹھا اور اس نے اونچی آواز میں سب گاؤں والوں کو اور پولیس والوں کو وہاں سے ہٹ جانے کا کہا' جلد ہی چند لوگ وہاں رہ گئے تو ایک بزرگ معزز آدمی نے کہا۔

''ڈی ایس پی صاحب' جمال آ گیا' میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس کی سچائی کا پہلا ثبوت ہے ورنہ اگر یہ مجرم ہوتا تو اب تک بھاگ گیا ہوتا۔''

''میں مانتا ہوں چوہدری صاحب! اس نے جو کچھ بھی کیا ردعمل کے طور پر کیا۔ شاہ زیب نے اس پر الزام لگایا لیکن ایک بھی ثبوت نہیں دیا۔ میں نے اس لیے اس کی گرفتاری نہیں ڈالی تھی کہ میں سمجھتا تھا کہ اسے خواہ مخواہ پھنسایا جا رہا ہے۔ اس نے کسی دوسرے آپشن پر بات ہی نہیں کی تھی۔ اب شاہ زیب لاہور میں ہے اور وہاں سے اعلیٰ حکام کے ساتھ مل کر ہم پر دباؤ ڈلوا رہا ہے کہ ہم اسے گرفتار کریں۔ اب یہ ہماری مجبوری ہے' جمال اگر ہمارے ساتھ چلتا ہے تو ہم اس کے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔''

''یہ نہ ہو کہ اب بھی آپ اس کی گرفتاری نہ ڈالیں اور جس طرح شک تھا کہ......'' ایک معزز نے کہا تو ڈی ایس پی فوراً بول اٹھا۔

''نہ...... نہ...... اس بار قانون کے مطابق سب کچھ ہو گا۔ اب تک شاہ زیب نے کوئی ثبوت نہیں دیا کہ یہ الزام اس نے کیوں لگایا۔ یہ بالکل اسی طرح ہی ہے جیسے کوئی بندہ اٹھ کر یہ کہہ دے کہ شاہ زیب نے خود اپنے باپ کو قتل کیا' میں کہہ رہا ہوں نا کہ آپ سب اور جمال ہمارے ساتھ تعاون کرے گا تو ہم بھی پوری طرح تعاون کریں گے اور مجھے یقین ہے کہ ہم اس کا ریمانڈ نہیں لے پائیں گے' بلکہ اس کی ضمانت ہو جائے گی۔ یہ میرا وعدہ رہا کہ قانونی طور پر میں جمال کو اپنی صفائی کا پورا پورا موقع فراہم کروں گا۔''

''اب یہی طے ہے نا کہ جمال پر صرف اور صرف سردار شاہ دین کے قتل کا الزام ہے' اور باقی جو کچھ ہوا.......؟'' بزرگ نے پوچھا۔

''ڈیرے پر جو کچھ ہوا' اس کی اطلاع ہے ہمیں' لیکن وہاں پر ان اشتہاریوں نے تین لوگوں کو اغواء کر کے رکھا ہوا تھا۔ باقی میں اور جمال ساری بات خود طے کر لیں گے۔'' ڈی ایس پی نے شاید عوامی طور پر یہ بات کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ میری طرف دیکھنے لگا تھا۔

''ٹھیک ہے' میں گرفتاری دیتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے پیرزادہ وقاص کی طرف دیکھا' وہ ہلکے سے مسکرا دیا تھا۔ میں نے اٹھ کر اپنے بازو پھیلا دیئے' ایک کانسٹیبل نے میری کلائیوں میں ہتھکڑی ڈال دی' پھر میری تلاشی دی' کوئی قابل اعتراض شے نہ پا کر وہ مطمئن ہو گئے' میں خود چلتا ہوا کچھ فاصلے پر کھڑی گاڑی میں جا بیٹھا۔

اس وقت شام کا اندھیرا پھیل گیا تھا جب مجھے تھانے میں لا کر حوالات میں بند کر دیا گیا۔ وہاں تین اور لوگ تھے جو میرے لیے اجنبی تھے' اس بار میں باقاعدہ گرفتار ہو کر حوالات میں بند تھا۔ میں اب اس پورے قانونی عمل سے گزرنا چاہتا تھا' اب جو ہونا تھا وہ ہو کر رہتا' اور میں اس کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔

☆ ☆ ☆

شام کے سائے پھیل کر اندھیرا چھا گیا تھا۔ جب چندی گڑھ ریلوے اسٹیشن پر ٹرین رکی۔ جسپال اور منالی دونوں کے پاس سامان نہیں تھا' وہ ان کے ساتھ والے نوجوان لے گئے تھے۔ اس لیے وہ دونوں ایک ساتھ اٹھ کر بوگی سے باہر آ گئے' اگرچہ جالندھر سے چندی گڑھ تک دونوں نے خوب باتیں کی تھیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ خاصا جھوٹ سچ بول کر تکلف کی دیوار گرا دی تھی۔ وہ رعب حسن جو منالی کو دیکھ کر جسپال کو طاری ہو گیا تھا اب وہ کافی حد تک کم ہو چکا تھا۔ وہ اس سے ایک قدم آگے تھی۔ اسٹیشن پر اترنے سے پہلے اس نے اپنا پہناوا بھی بدل لیا تھا۔ اس وقت وہ جالندھر والی منالی لگ ہی نہیں رہی تھی۔ ٹائیٹس کے جیسی نیلی جین اور تنگ سی شرٹ' پنسل ہیل' کھلے گیسو میں وہ بھرپور لڑکی دکھائی دے رہی تھی' جس میں بلا کی کشش ہو' جسپال نے فوراً ہی اس سے نگاہیں ہٹا لیں اور چندی گڑھ کے جدید اسٹیشن کو دیکھنے لگا' اس کی عمارت کو جدید طرز پر بنایا گیا تھا اور نیلے رنگ کو کافی حد تک بولڈ رکھا ہوا تھا۔ پلیٹ فارم سے نکلتے ہوئے وہ دونوں شانہ بہ شانہ چلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ وہ اسٹیشن سے باہر آ گئے' جسپال کافی حد تک محتاط تھا' مگر اسے کہیں بھی کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیا جو اس کی طرف متوجہ ہو۔ منالی جیسے ہی ایک جگہ کھڑی ہوئی' اسی لمحے ایک مہنگی کار اس کے پاس آن رکی' جس کا دروازہ منالی نے خود کھولا اور جسپال کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ خود بیٹھی اور کار چل دی۔ کچھ دور جانے کے بعد جسپال نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھارت کے دوسرے شہروں سے زیادہ یہ شہر جدید دکھائی دے رہا ہے۔''

''نیا بنا ہے نا...... بنایا ہی جدید انداز میں ہے' اس کا تاثر یہ دیا گیا ہے جیسے کوئی فارن کا شہر ہو' تم دیکھ لو گے اس کا یہ تاثر ہے کہ نہیں۔'' منالی نے عام سے انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا' وہ بھی بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

''ہاں تھوڑا تاثر تو اس کا مختلف ہے۔''

''یہ میرا شہر ہے جسپال' میں اس شہر کو خوب سمجھتی ہوں، ابھی کچھ دیر بعد دیکھو گے یہاں بڑے بڑے شاپنگ مالز ہیں۔ یہاں کے امیر ترین علاقوں میں سے ایک علاقہ سیکٹر سترہ ہے' جو یہاں کا مشہور ترین سیکٹر ہے، اس میں وہ شاپنگ مال ہے جو تمہاری منزل ہے' یعنی جسپیر سنگھ کا شاپنگ مال۔'' منالی نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''آج تم مجھے ہی جالندھر سے لینے گئی تھی۔'' اس نے ایک دم سے موضوع بدل دیا۔

''نہیں' جالندھر جا کر معلوم ہوا' مجھے آج صبح وہاں بلایا گیا تھا اور پھر تمہارا ٹاسک میرے ذمے لگا دیا جو کل دوپہر سے پہلے ہو جائے گا۔''

اس کے یوں کہنے پر جسپال سمجھ گیا کہ ڈرائیور اس کے اعتماد کا ہے' سو اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ ٹرین میں انہوں نے بہت باتیں کر لی تھیں' سو ان کے درمیان خاموشی رہی' منالی اپنے طور پر سوچتی رہی اور وہ شہر کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ایک پوش علاقے میں جا پہنچے۔ وہ بڑا صاف ستھرا علاقہ تھا۔ ایک بنگلہ نما کوٹھی کے سامنے کار رکی ہی تھی کہ گیٹ کھل گیا۔ وہ کار سمیت اندر چلے گئے۔ وہ ڈرائنگ روم میں گیا تو اسے لگا جیسے وہ کسی یورپی ملک کے گھر میں آ گیا ہو۔ منالی اسے سیدھا کمرے میں لے گئی۔

''یہاں آرام کرو' میں ابھی آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ اس وقت وہ فریش ہو چکا تھا جب منالی دوبارہ کمرے میں آئی' وہ پہلے سے زیادہ فریش دکھائی دے رہی تھی۔

''جسپال! آؤ چلیں۔ کھانا بھی باہر سے کھائیں گے اور تمہارے لیے تھوڑی شاپنگ بھی کر لیں۔''

''میرے لیے شاپنگ کرنی ہے تم نے؟'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اپنا لباس دیکھو' میلا ہو رہا ہے' اور پھر جسپیر کے شاپنگ مالز سے کوئی سوٹ خریدنا تو اور بھی اچھا ہے نا۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا تو وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ منالی کی متانت اس کے حسن میں اضافہ کا باعث بن رہی تھی۔ پورچ میں ڈرائیور کار لیے موجود تھا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھے تو گاڑی چل پڑی۔

وہ ایک بڑا شاپنگ مال تھا۔ پارکنگ میں کار کھڑی ہوئی تو وہ دونوں پیدل ہی چل پڑے۔ اندر ایک جہان آباد تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سارا چندی گڑھ یہیں شاپنگ کرنے آ گیا ہے۔ وہ سب سے پہلے گارمنٹس کی طرف گئے' جہاں سے جسپال نے اپنے لیے کافی کچھ خریدا' پھر ایک سیل فون شاپ پر جا کر نیا سیل فون لیا' تبھی جسپال نے منالی سے پوچھا۔

''اس کا کنکشن......؟''

''ہے میرے پاس' جو کہیں بھی رجسٹر نہیں ہے۔ ایسے کنکشن رکھنے پڑتے ہیں۔'' اس نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''اوکے......!'' جسپال نے معنی خیز انداز میں کہا تو وہ دکان سے ہٹ کر بولی۔

''جسپیر اندازاً صبح نو بجے کے بعد یہاں آتا ہے' یہاں اوپر پہلی منزل پر اس کا آفس ہے' ابھی چلتے ہیں اور آفس دیکھ آتے ہیں' تم بھی یہ ساری لوکیشن دیکھ لو پھر بیٹھ کر ڈسکس کرتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔''

''او کے۔'' جسپال نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا اور یوں ہو گیا جیسے وہ وہاں تفریح کی غرض سے آیا ہو۔ وہ دونوں وہاں پر تقریباً دو گھنٹے تک رہے' اس درمیان انہوں نے وہیں سے فاسٹ فوڈ لیا۔ وہیں کھا کر وہ واپس گھر آ گئے۔

وہ دونوں بیڈ پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ایک کاغذ رکھا ہوا تھا۔ جس پر منالی لکیریں کھینچ کر اسے سمجھا رہی تھی۔

''یہ پارکنگ ہے لیکن جسبیر کی گاڑی یہاں سے ہٹ کر کھڑی ہوتی ہے یہاں پر۔'' اس نے کاغذ پر ایک جگہ پنسل رکھتے ہوئے کہا۔ ''پھر وہ اس گیٹ سے اندر جاتا ہے' اس دوران اس کے ساتھ تقریباً چار گارڈ ہوتے ہیں۔ ان میں سے دو نیچے رہ جاتے ہیں اور دو اس کے ساتھ لفٹ میں سوار ہو کر اوپر جاتے ہیں۔ یہ لفٹ لابی میں کھلتی ہے' جو تم نے دیکھی' سامنے اس کا آفس ہے' دو گارڈ یہاں رُک جاتے ہیں۔ یہ اس کے ساتھ والا کمرہ ہے' جہاں اس کا ماتحت عملہ ہوتا ہے۔ جسبیر دن کے ایک بجے تک یہاں رہتا ہے' اور پھر اسی طرح واپس ہو کر اپنے گھر چلا جاتا ہے۔''

''منالی...... یہاں شاپنگ مال کی بجائے اس کا گھر......'' جسپال نے کہا تو وہ تیزی سے بولی۔

''نہیں...... ! وہ جس علاقے میں رہتا ہے' وہاں سیکیورٹی کا بہت زبردست بندوبست ہے۔ ایک تو وہ علاقہ سیکیورٹی کے حوالے سے بہت مضبوط ہے' دوسرا ادھر حکومتی عمارتیں ہیں' سیکریٹریٹ ہے' اس تک وہاں پہنچنا اگرچہ ناممکن نہیں ہے لیکن ادھر پلاننگ بہت لمبی کرنا ہوگی' یہ شاپنگ مال والا آسان ہے یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ نکلنا بہت آسان ہے' جدھر مرضی نکل جاؤ۔''

''ہاں...... ! یہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''سو...... ! یہ تین پوائنٹ ہیں' نمبر ایک پارکنگ سے گیٹ تک' نمبر۲ لابی میں لفٹ سے نکلتے ہی اور تیسرا اس کے آفس میں' ان تینوں میں سے کوئی ایک پوائنٹ دیکھو' کیونکہ یہ سب تم نے کرنا ہے' میں پھر اسی مناسبت سے نکلنے کا بندوبست کروں۔''

منالی نے کہا تو اس نے ایک دو لمحے سوچا اور پھر حتمی انداز میں کہا۔

''لابی میں ٹھیک رہے گا۔''

''اس کی وجہ......؟'' منالی نے پوچھا۔

''نیچے مزاحمت زیادہ ہوگی' وہ چاروں گارڈ ہی نہیں' کھلی جگہ ہونے کے باعث لوگ زیادہ متوجہ ہو جائیں گے' پھر نکلنا مشکل ہو جائے گا' کیونکہ آفٹر آل یہاں بندے زیادہ چاہئے ہوں گے' رش ویسے ہی نگاہوں میں آ جائے گا۔''

''ٹھیک ہے' اور لابی کیوں؟'' اس نے پوچھا۔

''وہاں اتنا زیادہ رسک نہیں ہے۔ دو طرف سے نکلنے کے لیے راستہ ہے' اور وہاں پر زیادہ لوگوں کی مدد کی ضرورت بھی نہیں ہوگی' میں اکیلا ہی بہت ہوں۔ میں نے اگر جسبیر کو مار دیا تو کسی طرف سے بھی نکل جاؤں گا۔ اور اگر میں مارا گیا تو آپ سب لوگ محفوظ رہیں گے۔''

''یہ تمہارا حتمی فیصلہ ہے۔'' منالی نے جسپال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''بالکل...... !''

''او کے......! اب سکون سے سو جاؤ' اگر تمہیں نیند آ گئی تو ٹھیک اور نہ آئے تو مجھے کال کر لینا' میں آج رات تمہارے ساتھ اسی کمرے میں رہتی' لیکن مجھے کام کرنے ہیں کچھ......'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔

''او کے گڈ نائٹ۔'' جسپال نے کہا اور بیڈ پر سیدھا ہو گیا۔

اس وقت صبح کے آثار نمودار ہو گئے تھے' جب جسپال کی آنکھ کھلی' وہ عادت کے مطابق کھڑکی میں جا کھڑا ہوا' اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ وہ اپنے ذہن میں پوری پلاننگ کر چکا تھا' وہ مطمئن تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں سب کچھ دہرایا اور تیار ہونے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔ اس وقت وہ تیار ہو کر ایک صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا' جب منالی اندر آئی' اس کے چہرے پر حد درجہ ملاحت اور خوشگواریت تھی۔ اس نے ویسی ہی نیلی جین' چیک دار شرٹ اور جاگر پہنے ہوئے تھے' اس نے بالوں کی پونی باندھی ہوئی تھی' اس کے چہرے پر شاندار مسکراہٹ تھی۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' جسپال نے اسے دیکھ کر بے ساختہ کہا۔

''اور تم بھی بہت ہینڈسم لگ رہے ہو۔ آؤ ناشتہ کریں۔'' اس نے کہا تو جسپال نے ٹی وی بند کیا' پھر اس کے ساتھ باہر چل دیا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے' جہاں میز پر ناشتہ لگا ہوا تھا۔ ناشتے کی میز پر وہ دونوں ہی تھے۔ پرسکون ماحول میں ہلکی پھلکی گپ شپ میں انہوں نے ناشتہ ختم کیا۔

''دیکھو نو بجنے میں تقریباً ایک گھنٹہ پڑا ہے' اب ہمیں نکلنا چاہیے۔''

''تو پھر چلو۔'' جسپال نے اٹھتے ہوئے کہا۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ جسبیر کے شاپنگ مال پہنچ گئے۔ گاڑی پارکنگ میں لگاتے ہی منالی نے کہا۔

''میں نے یہاں فیلڈنگ لگا دی ہے' وہ سامنے دیکھو' سبز اور پیلے رنگ کی ٹوپی پہنے ایک نوجوان لڑکا' وہ اپنا آدمی ہے' جس کے بھی ایسی کیپ ہو گی' وہ ہمارا بندہ ہے' ضروری نہیں کہ باہر نکلتے وقت تم پارکنگ میں آؤ' وہ سامنے سڑک کے پار درخت کے ساتھ گاڑی کھڑی ہے' اس تک جانا وہ تمہیں پہچانتے ہیں بے دھڑک اس گاڑی میں بیٹھ جانا' اب ہم اندر چلتے ہیں' اندر جا کر ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے' میں صرف تمہیں کور دوں گی۔''

''ساری پلاننگ تم نے کر لی' مگر میرے پاس یا تمہارے پاس اسلحہ نام کی کوئی شے نہیں' فائر کس سے ہو گا؟'' جسپال نے مسکراتے ہوئے پوچھا' تو منالی ہنستے ہوئے بولی۔

''یہ سیکیورٹی گیٹ پار کر و بتاتی ہوں۔''

وہ دونوں سیکیورٹی گیٹ کے قریب پہنچ گئے' ارد گرد محتاط گارڈ کھڑے تھے' وہ سکون سے گزر گئے۔

''ہاں بولو......!'' اس نے پوچھا۔

''اگر اسلحہ لے کر آتے تو یہیں پکڑے جاتے' اب وہ دیکھو سامنے اسنیکس کی دکان ہے' وہاں تک چلو' وہاں سب کچھ مل جائے گا۔'' منالی نے کہا اور لچکتی ہوئی اس کے ساتھ یوں چل دی جیسے اسے دنیا کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ وہ دونوں وہیں ایک طرف جا بیٹھے۔ چند لمحے بعد ان کے لیے

آرڈر لینے ایک لڑکی آ گئی۔ منالی نے اسے آرڈر دیا' اسی دوران ایک لڑکا تیزی سے چلتا ہوا آیا اور ان کی قریب آ کر پھسل گیا۔ وہ شاپنگ مال کا ملازم تھا' گرتے گرتے وہ جسپال سے ٹکرا گیا تھا۔ تبھی جسپال کو محسوس ہوا کہ کوئی بھاری سی چیز اس کی گود میں آن پڑی ہے' لڑکا شرمندہ سا ہو کر اٹھ گیا' اور آگے چلا گیا۔ جسپال نے ٹٹول کر محسوس کیا' اس میں پسٹل تھا۔

''آ گیا.....'' جسپال نے دیکھے بغیر منالی سے کہا۔

''دو پسٹل ہوں گے' اب اٹھ اور واش روم کی طرف چلو' وہیں جا کر چھپاتے ہیں۔'' منالی نے کہا اور اٹھ گئی۔ وہاں جا کر تنہائی کے لیے انہیں چند منٹ لگے۔ جسپال نے تیزی سے پسٹل نکالے' ایک منالی کو دیا دوسرا خود کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ دو فاضل میگزین تھے جو ایک منالی کو دے دیا۔ جب وہ واش روم سے باہر نکلے تو واپس سیدھے اس اسنیکس کی دکان پر گئے' ان کا آرڈر آ چکا تھا۔ انہوں نے وہ کھانا شروع کر دیا۔ نو بج چکے تھے' منالی نے اپنا فون میز پر رکھ لیا تھا' اچانک اس کا فون بجا تو منالی تیزی سے بولی۔

''جسپال.....جسبیر آ گیا ہے' اسے لابی تک تقریباً پانچ منٹ لگیں گے' تم پہنچو۔''

جسپال کو جیسے کرنٹ لگ گیا' وہ تیزی سے اٹھا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیوں والی لفٹ کی جانب بڑھا' ایک منٹ میں وہ دوسری منزل پر تھا' وہ پرسکون انداز میں لابی کی طرف بڑھنے لگا' راہداری میں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ جس وقت وہ لابی میں پہنچا' اس نے پسٹل پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا' عملے والے کمرے میں چند لوگ تھے' مگر وہ سکون سے کام میں مصروف تھے۔ اب کسی بھی لمحے لفٹ کا دروازہ کھلنے والا تھا اور وہ اس کے سامنے ہوتا۔ وہ سائیڈ میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا' لفٹ رکی' دروازہ کھلا اور جسبیر آگے اور اس کے گارڈ پیچھے پیچھے باہر آ گئے' جسپال نے پہلے ایک گارڈ کے سر پر' پھر دوسرے گارڈ کا نشانہ لیا۔ دونوں ہی ڈکارتے ہوئے ڈھیر ہو گئے' حواس باختہ آنکھوں میں حیرت لیے پھٹی پھٹی نگاہوں سے وہ جسپال کو دیکھ رہا تھا' اس نے بمشکل کہا۔

''ک.....کک.....کون ہو تم.....؟''

جسپال نے جواب نہیں دیا' بلکہ اس کے ماتھے پر پسٹل رکھ کر فائر کر دیا۔ یقیناً جسبیر کے بچنے کی امید نہیں تھی۔ لیکن جاتے جاتے اس نے ایک اور فائر کر دیا۔ جسپال جس راہداری سے آیا تھا' اس کی مخالف سمت راہداری میں بھاگ کھڑا ہوا۔ راہداری سے نکلتے ہی وہ نارمل ہو گیا اور سیڑھیوں کی لفٹ کی جانب بڑھا۔ تب تک سارے شاپنگ مال میں ہل چل مچ چکی تھی۔ اس نے ایک دم سے نیچے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ سیدھا بڑھا اور باہر والی دیوار میں لگا شیشہ توڑ دیا۔ وہ زمین سے تقریباً بارہ سے چودہ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ وہ شیشے کی دیوار میں سے باہر نکلا اور پھر اس دیوار کے ساتھ لٹکتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ جس وقت اس کے پاؤں زمین پر لگے اوپر سے فائر ہوا' وہ تیز رفتاری سے بھاگا۔ نجانے کہاں سے دو لڑکے نکل کر آئے وہ اوپر کی طرف فائر کرنے لگے۔ ایک دم سے گولیاں برسنے لگی تھیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ شاپنگ مال سے سڑک کی طرف بھاگ رہے تھے۔ تقریباً دو منٹ میں وہ درخت کے نیچے کھڑی گاڑی تک پہنچ گئے۔ گاڑی اسٹارٹ تھی' ان کے بیٹھتے ہی گاڑی چل دی۔ وہ سیکٹر سترہ سے نکل پڑے تھے۔ تقریباً دس منٹ کے وقفے میں وہ مارکیٹ پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں گاڑی کھڑی کی' وہ فائر کرنے والے لڑکے اتر کر ایک طرف

چل دیئے' جسپال اور ڈرائیور ایک دوسری گاڑی میں بیٹھے اور چل پڑے۔ اس بار ڈرائیور کا انداز بہت پرسکون تھا۔

''اب کدھر نکلنا ہے؟'' جسپال نے اضطراری انداز میں پوچھا۔

''فی الحال ہم سپر ہائی وے پر جائیں گے تب تک میڈم کا فون آجائے گا۔'' ڈرائیور نے کہا اور پوری توجہ سڑک پر لگا دی۔ تبھی اچانک انہیں سڑک پر پولیس کی گاڑیاں تیزی سے جاتی ہوئی دکھائی دیں۔ جسپال چونک گیا کہ شہر میں ہلچل مچ گئی ہے۔ اس دوران منالی کا فون آ گیا۔

''جسپال! اگرچہ ہم نے مقصد تو حاصل کر لیا ہے' مگر یہ ہماری غلط فہمی تھی کہ وہ لوگ محتاط نہیں ہوں گے۔''

''کیا ہوا؟'' وہ چونکا۔

''میں ابھی تک شاپنگ سینٹر میں پھنسی ہوئی ہوں۔ یہ تم نے اچھا کیا کہ دیوار توڑ کر نکلے' ورنہ دھر لیا جانا تھا۔ اب پولیس پورے شہر میں ناکہ بندی کر چکی ہو گی۔''

''ہوا کیا؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''مجھے لگ رہا ہے کہ جیسے وہ لوگ تمہاری یہاں آمد کے بارے میں جانتے تھے۔ جالندھر اسٹیشن پر رابطہ نہیں کیا' ہم نگاہوں میں تھے۔'' منالی نے کہا۔

''پھر تیرے لیے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ میں واپس آ رہا ہوں۔''

''ہرگز نہیں' بلکہ فون ڈرائیور کو دو۔'' اس نے تیزی سے کہا' میں نے فون اسے دے دیا۔ وہ چند منٹ سنتا رہا' پھر فون بند کر کے جسپال کو دے دیا۔

''میڈم کہہ رہی ہے کہ جس قدر جلدی اس شہر سے نکل سکتا ہوں' نکل جاؤں' جیسے جیسے وقت گزرے گا یہاں سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جائے گا۔''

''تو پھر......؟'' اس نے پوچھا۔

''دیکھتے ہیں کدھر نکلتے ہیں؟'' یہ کہہ کر اس نے گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی اور پھر ایک ذیلی سڑک پر ڈال لی جہاں سے کچھ آگے جا کر بسوں کا ایک اسٹاپ تھا' ڈرائیور نے گاڑی وہاں آگے روکی اور جسپال کو اشارہ کر کے نیچے اتر آیا۔ دونوں پیدل چلتے ہوئے واپس اسٹاپ پر آ گئے۔

''چنڈی گڑھ سے اپنی سواری میں نکلنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ ہر جگہ اپنی شناخت دینا پڑے گی۔ یہاں بس میں بیٹھ کر شہر سے نکلتے ہیں۔''

''اوکے!'' جسپال نے سمجھتے ہوئے کہا اور اسٹاپ پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں بعد اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔ ''تیرا نام کیا ہے؟''

''اپنی دنیا کے لوگوں کا کیا نام ہوگا' آپ جو مرضی پکار لو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''پھر بھی یار اب ہمارا ساتھ تو ہے نا......''

''رانا چرن' نام ہے میرا' اب آپ جو چاہو بلا لو۔ اس نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ حالانکہ اس میں شرمندگی والی کوئی بات نہیں تھی۔

انہیں وہاں کھڑے ہوئے چند منٹ ہوئے تھے کہ ایک طرف سے چند لوگ آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی' تقریباً دس منٹ میں وہاں سات آٹھ سواریاں ہو گئیں۔ تبھی چندی گڑھ کی طرف سے بس آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ لوکل بس تھی اور جب وہ ان کے قریب آ کر رکی تو رانا چرن نے تیزی سے کہا۔

''یہ بس سیسر تک جائے گی' قریب ہی شہر ہے چھوٹا سا۔''

''یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ کدھر جانا ہے۔'' جسپال نے الجھتے ہوئے کہا تو اسی تیزی سے بولا۔

''سیسر راجھستان میں ہے' وہاں پہنچتے ہی ادھر کی پولیس سے چھٹکارا مل جائے گا۔ بس وہاں پہنچنے کی دیر ہے۔ جلدی بیٹھیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بالکل آخر میں سوار ہونے والی سواری کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں بس میں سوار ہو گئے' جس میں پہلے ہی سے بہت رش تھا۔ جسپال کو لگا جیسے وہ کہیں پنجرے میں پھنس گیا ہے' لیکن پولیس سے بچنے کے لیے یہ جائے پناہ اچھی تھی۔ اسے بیٹھنے کے لیے کہیں سیٹ دکھائی نہ دی تو وہ سکون سے کھڑا ہو گیا۔ وہ بیٹھ کر ہی منالی کو پیغام بھیج سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

حوالات کی سلاخوں کے پیچھے رات جیسے تیسے گزر گئی۔ میرے ساتھ جو تین بندے تھے' وہ ایک دن پہلے تک ایک دوسرے سے اجنبی تھے' شام تک وہ بھی یوں ہو گئے تھے جیسے برسوں سے یارانہ ہو۔ تقریباً دو گھنٹے بعد میں ان کے ساتھ گھل مل گیا۔ انہیں تاش کھیلنے کے لیے چوتھے بندے کی ضرورت تھی' وہ میری صورت میں ان کے پاس آ گیا تھا۔ حوالات کے مدقوق پیلے بلب کی روشنی میں رات گئے تک تاش کی بازیاں چلتی رہیں۔ پھر پتہ نہیں کب سوئے تھے کیونکہ صبح جب آنکھ کھلی تو روشنی ہر جانب پھیل چکی تھی۔ تھانے کا گیٹ کھلا تو بھیدہ میرے لیے ناشتہ لیے کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے ہی سہیل تھا' میرے ساتھی حوالاتیوں نے جب تک کھانا کھایا' تب تک میں نے بھی ناشتہ کیا پھر بھیدے سمیت سہیل سے بھی باتیں کرتا رہا۔ بھیدہ سہیل کی وجہ سے پہلے جھجکتا رہا تھا' پھر جب وہ پہچان گیا کہ وہ بھی جگری دوست ہے تو اس نے مجھے چھاکے کا پیغام دیا۔

''وہ نا چھاکے نے ایک اڑتی اڑتی خبر سنی ہے' وہ تمہیں بتانا تھی۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''کیا ہے خبر؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''ڈی ایس پی سے معاہدہ تو یہی ہوا ہے نا کہ آج تم عدالت میں پیش ہو گے تو تمہاری ضمانت ہو جائے گی' پیرزادہ وقاص تمہاری ضمانت دے گا' ریمانڈ نہیں ہو گا۔''

''ہے تو ایسی ہی......'' میں نے کہا۔

''لیکن راتوں رات ڈی ایس پی تبدیل ہو گیا ہے۔ نیا جو ہے وہ شاہ زیب کے ہاتھ کا بندہ ہے' اس سے کوئی توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ کیا کرے۔'' بھیدے نے تو مجھے چونکا دیا۔

''اگر ایسا ہو گیا تو معاملہ بہت خراب ہو جائے گا۔ یہ جو نیا ڈی ایس پی آیا ہے' اور شاہ زیب کے ہاتھ کا بندہ ہے۔ اسے ایویں ہی راتوں

رات تبدیل نہیں کروایا گیا۔ اب اتنی کوشش کر کے جو اسے یہاں لگوایا ہے تو۔۔۔" میں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا تو سہیل نے سوچتے ہوئے کہا۔

"اب یہ دیکھ لو شاہ زیب نے بڑے وقت پر پتہ کھیلا ہے۔ پہلے وہ ریمانڈ کے چکر میں تمہیں ادھ موا کریں گے پتہ نہیں کیا کیا جرم تیرے گلے میں ڈالیں گے اس کا اندازہ تمہیں اس وقت ہو جائے گا' جب تم جج کے سامنے پیش ہو گے' بس دو چار گھنٹے ہی ہیں' ابھی سب پتہ چل جائے گا۔"

"مطلب پیرزادہ وقاص کوشش کرے گا' لیکن یہ کوشش پوری نہیں ہوگی۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا' پھر دھیرے سے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب کیا کیا جائے' قسمت ہی میں ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی' برداشت کریں گے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"تو فکر نہ کر' میں تم سے پہلے عدالت میں ہوں گا' دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔" سہیل نے مجھے تسلی دی' جو بہر حال دل کو تسلی دینے والی بات تھی۔ اصل معاملہ تو تب کھلنا تھا جب میں جج کے سامنے پیش ہوتا۔ ابھی تک تو قیاس آرائیاں ہی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں برتن لے کر واپس چلے گئے میں آئندہ کے بارے میں سوچنے لگا کہ اب کیا ہوگا؟

تقریباً سات بجے کے قریب قیدیوں کو لے جانے والی گاڑی تھانے کے اندر آ گئی۔ ہم چاروں ہی تھے۔ ہمارے ساتھ پانچ کانسٹیبل اور انسپکٹر منیر باجوہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی چل پڑی اور میں ذہنی طور پر تیار ہو گیا کہ مجھے واپس پلٹ کر اسی حوالات میں آنا ہے' میں قصبے کی حوالات میں تھا اور نزدیک ترین شہر' جس میں سیشن جج بیٹھتا تھا وہ تقریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ جس سڑک پر ہم نے سفر کرنا تھا' اس کے دائیں طرف سرسبز و شاداب کھیت تھے اور بائیں جانب ریلوے ٹریک' جس کے آگے جنوب تک چولستان کا وسیع و عریض علاقہ تھا۔ موسم خاصا گرم ہو چکا تھا۔ قصبے سے نکلتے ہی ایک حوالاتی نے کان پر ہاتھ رکھ کر ماہیا گانا شروع کر دیا۔ جس سے میں ان سوچوں سے باہر نکل آیا کہ مجھ پر کیا کیا الزامات لگائے جائیں گے جس کی وجہ سے میری ضمانت نہیں ہو پائے گی۔ ویسے بھی یہ خام خیالی ہی تھی کہ قتل کے ملزم کو فوراً ضمانت پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ وہ ماہیا گاتا رہا اور دوسرے اس سے محظوظ ہوتے رہے لیکن میں اپنی ہی سوچوں کی بھول بھلیوں میں کھویا رہا۔ مجھے تھانے اور کچہری کی دشوار گزار اور تھکا دینے والی راہوں سے گزرنا ہوگا۔ میں دراصل ان سے نہیں گھبراتا تھا' میں صرف ان سازشوں سے ڈرتا تھا کہ پتہ نہیں کب اور کس وقت ماورائے عدالت میرے لیے کوئی حکم جاری ہو جائے۔ اصل میں ہمارے ملک کا جو تفتیشی نظام ہے یا پھر جو سزا و جزا کے لیے فیصلے کیے جاتے ہیں' اس میں اس قدر لچک ہے کہ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کیا جا سکتا ہے۔ سفید چمڑی والے جو نظام چھوڑ کر گئے تھے' کالے انگریزوں نے اس کو اب تک مسلط رکھا ہوا ہے' جس میں انسانی تذلیل زیادہ ہے۔ انہی سوچوں میں الجھتے دس بجے ہم ضلعی عدالت میں جا پہنچے۔ ہمیں کو تو الی میں رکھا گیا۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ ہمیں آواز پڑے اور ہم جج کے سامنے پیش ہوں۔ نیا ڈی ایس پی اب تک سامنے نہیں آیا تھا۔ اور اسے آنے کی ضرورت بھی نہیں تھی' منیر باجوہ ہی کافی تھا کچھ دیر بعد وہ گھوم کر میرے سر پر آن کھڑا ہوا' کچھ دیر میری طرف دیکھتا رہا' پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔

"بہت مان تھا نا تجھے خود پر' دیکھ یہاں عدالت میں تیرے لیے کوئی بھی نہیں آیا' بڑا پیرزادہ پیرزادہ کرتا تھا' وہ اب نہیں آئے گا۔"

"چلو نہیں آتا تو نہ آئے' وہ کون سا میرے مامے کا پتر ہے۔" میں نے تنگ کر کہا۔

"وہ تیرے مامے کا پتر بن بھی نہیں سکتا' کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگوا تیلی' جاگیرداروں کے یار جاگیردار ہی ہوتے ہیں۔ رات اس نے

شاہ زیب سے سودے بازی کر لی ہے' تجھے اس نے ایک مہرے کے طور پر استعمال کر کے پھینک دیا۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے نفرت سے سر کو جھٹکا۔

''چل میں تو مہرہ کی طرح استعمال ہو گیا' تو ان کی خدمت داری نوکروں کی طرح کر رہا ہے یا وفاداری.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کو سمجھ کر نو کتے ہوئے بولا۔

'' بکواس نہ کر اوئے' میں افضل رندھاوا نہیں' جو تیرے ساتھ یاری نبھاتے ہوئے معطل ہو کر بیٹھا ہے، میں منیر باجوہ ہوں' جانتا ہوں کس بندے کو کس طرح انگلی پر نچایا جاتا ہے۔''

''جب تک تیرا ڈی ایس پی نہیں بدلا تھا' اس وقت تک تُو کس کی انگلیوں پر ناچ رہا تھا؟'' اس بار میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اوئے بات سن اوئے' میں نے تھانیدار ہی رہنا ہے' شاہ زیب نے ایم این اے بن جانا ہے اور پیرزادے کا معاہدہ ہوا ہے کہ وہ ایم پی اے بنے گا لیکن تیرے جیسے حوالات میں ریمانڈ پر مار کھاتے ہیں اور پھر جیلوں میں سڑتے ہیں۔ تو ضمانت کے خواب نہ دیکھ' کم از کم چودہ دن کا ریمانڈ میں نے لینا ہے' اور تیری ساری اکڑ نکالنی ہے۔ یہ خواہش میں بڑے دنوں سے اپنے دل میں لیے پھرتا ہوں۔''

''یار! تو نے جو کرنا ہے کر لینا' عورتوں کی طرح دھمکیاں کیوں دے رہا ہے۔ ویسے کتنے قتل ڈالنے کو کہا ہے شاہ زیب نے اور اس کے لیے کتنی رقم دی ہے؟'' میں نے اسے چڑانے کے لیے کہہ دیا۔

''یہ تو تجھے جج صاحب کے سامنے جا کر معلوم ہوگا نا' کیا ہوتا ہے تیرے ساتھ اور پھر چودہ دن تو میرے ہاتھوں میں ہے۔'' اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ نجانے کیوں اس وقت مجھے انسانی نفسیات بڑی عجیب سی لگی' بزدل' گھٹیا اور منافق انسان ہمیشہ اس وقت کھلتا ہے جب سامنے والا انسان اسے بے بس دکھائی دے۔ میں جو خود کو اس قانونی عمل سے گزارنے کے لیے خود کو پیش کر چکا تھا' اور میرے ذہن کے کسی کونے میں یہ بھی تھا کہ اگر سردار شاہ دین کا قتل مجھ پر ثابت بھی ہو جاتا ہے تو میں جیل بھگتنے کے لیے تیار تھا۔ میں اتنا تو جانتا تھا کہ پھانسی تک لے جانے والے ثبوت ان کے پاس نہیں ہوں گے' لیکن ابھی کچھ بھی نہیں ہوا تھا اور منیر باجوہ اپنے دل کی ناجائز خواہش مجھے بتا رہا تھا۔ ایک بار تو میرے دل میں اٹھی کہ یہاں سے بھاگ جاؤں' میں نے اپنے طور پر جائزہ لے لیا تھا کہ چاہے میں ہتھکڑی میں ہوں ان کے چنگل سے نکل کر بھاگ سکتا ہوں۔ مگر یہ جلد بازی تھی' میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ مجھے کس طرح پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوپہر سے ذرا پہلے ہمیں آواز پڑی تو منیر باجوہ مجھے ہتھکڑی سمیت عدالت میں لے گیا۔ میں حیران تھا اور کسی حد تک مجھے افسوس بھی ہو رہا تھا کہ پیرزادہ وقاص وعدہ کرنے کے باوجود بھی عدالت نہیں آیا تھا۔ چلو وہ نہ آتا تو کم از کم اس کا کوئی وکیل ہی ہوتا۔ تھوڑی بہت کوشش تو ہوتی' مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ میں اکیلا تھا' نور نگر کے یا اس علاقے میں سے کوئی بندہ وہاں موجود نہیں تھا جن لوگوں نے معاہدے کے ساتھ میری گرفتاری دلوائی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ اب میری قسمت مجھے کہاں لیے جا رہی ہے' سو میں نے اپنے آپ کو قسمت اور حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔

میں جب عدالت سے باہر آیا تو اس وقت میں انتہائی خطرناک مجرم تھا۔ مجھ پر سردار شاہ دین کے قتل سے لے کر کئی دوسرے قتل بھی کرنے

کا الزام تھا۔شاہ زیب نے بڑی اچھی پلاننگ کی تھی۔ایسے وقت پر پیرزادہ وقاص سے سمجھوتہ کرلیا تھا جب مجھے گرفتار کرلیا گیا۔اس دوران جو ثبوت پیش کیے گئے وہ سبھی ''ریڈی میڈ'' تھے۔ضمانت تو اب کیا ہونی تھی' اب تو مقدمہ ہی چلنا تھا۔نجانے کب تک حوالات مقدر میں تھی اور پھر جیل کی زندگی' پھانسی ہوتی یا عمر قید، جو بھی تھا،اس فیصلہ کے انتظار میں کتنا وقت بیت جانا تھا۔اس دوران رہائی کی امید تو کی جاسکتی تھی لیکن نصیب میں رہائی کے لیے مجھے جنگ لڑنا تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اب یہ پیسے اور تعلقات کا کھیل ہے۔مہنگا وکیل اور ریڈی میڈ گواہوں کے بل بوتے پر مقدمے کا رخ کہیں سے کہیں کیا جاسکتا تھا۔کچھ دیر کے لیے مجھ پر مایوسی چھا گئی تھی' لیکن اگلے ہی لمحے نجانے کیوں مجھے اماں کی دعاؤں پر بھروسے کا خیال آ گیا تو میرے اندر ایک دم سے حوصلہ بھر گیا۔کیا ہوا جو وقتی طور پر منافقین جیت گئے ہیں' مجھے بہرحال ان سے لڑنا ہے اور اس وقت تک لڑنا ہے جب تک میری آخری سانس ہے۔اس جنگ کی نوعیت کسی قسم کی بھی ہو اور میدان جنگ کیسا بھی ہو۔عدالت کی غلام گردشوں سے نکل کر قیدیوں کی گاڑی تک آتے ہوئے مایوسی کا دریا پار کر گیا تھا اور اب میں حوصلے کے میدان میں تھا۔میرے ساتھ تینوں حوالاتی تھے۔وہ بھی آ گئے تو ہمیں گاڑی میں سوار کرایا گیا۔انسپکٹر منیر باجوہ ہمیں اپنی نگرانی میں سوار کرا رہا تھا۔اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ مجھے بے چین کر رہی تھی۔جس وقت میں نے گاڑی میں داخل ہونے کے لیے قدم اٹھایا تو اس نے انتہائی حقارت سے کہا۔

''او چل جلدی کر بیٹھ' واپس چل کر تیرے اندر سے بدمعاشی کو نکالنا ہے' دیکھتے ہیں تو میری خاطر تواضع کس قدر برداشت کرتا ہے۔''

میں ایک دم سے بھنا گیا۔مگر اس وقت مجھے خود پر قابو پانا ہی تھا۔میں سمجھتا تھا کہ وہ گھٹیا لوگ ہوتے ہیں جو کسی کو گھیر کر بڑھکیں مارتے ہیں' میں اس وقت اکیلا تھا' میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی تھی اور میں نہتا تھا۔وہ مجھے غصہ ہی اس لیے دلا رہا تھا کہ میں کچھ ایسا کروں کہ وہ میرے جرائم کی فائل میں ایک نئے ورق کا اضافہ کردے۔میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔میں نے خود پر قابو پایا اور گاڑی میں سوار ہو گیا۔ان تینوں حوالاتیوں کے ملنے والے آئے تھے' وہ انہیں کافی کچھ کھانے پینے کو دے گئے تھے جبکہ میرے لیے کوئی نہیں آیا تھا انہوں نے مجھے کافی کچھ کھانے پینے کو دیا میں نے سب طرف سے ذہن کو جھٹک کر کھانے پینے کی طرف توجہ کر دی جو ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہنا ہے' بھوکا تو نہ رہا جائے۔دوپہر کے بعد ہم وہاں سے چل دیئے۔اچھی خاصی دھوپ تھی اور موسم صاف تھا۔

اس وقت ہمیں سفر کرتے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا۔ہم شہر اور قصبے کے درمیان میں تھے' جب ہماری گاڑی آہستہ ہوئی۔ٹریفک کے دوران ایسا ہوتا ہے کہ کبھی تیز اور کبھی آہستہ ڈرائیونگ کی جاتی ہے' میں یہی سمجھا تھا لیکن ایسا نہیں تھا۔ بلکہ جان بوجھ کر اس کے آگے ایک ایسی گاڑی لائی گئی تھی کہ گاڑی کو آہستہ ہو جانے پر مجبور کیا جائے۔یہ مجھے بعد میں پتہ چلا تھا۔تبھی اچانک ایک فائر ہوا اور قیدیوں والی گاڑی کا پچھلا ٹائر برسٹ ہو گیا۔اس کے ساتھ ہی دوسری طرف کا ٹائر برسٹ ہو گیا۔گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی رک گئی۔اس کے ساتھ ہی ایک دم سے شدید فائرنگ ہونے لگی' جو تقریباً آدھے منٹ تک رہی' پھر ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ان تینوں حوالاتیوں سمیت میں بھی جالی میں سے باہر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔اچانک میری نگاہ جانی شوکر پر پڑی' اگرچہ اس نے چہرے کو کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا لیکن میری نگاہوں سے تو وہ نہیں چھپ سکتا تھا۔میرے بدن میں بجلی کی لہر دوڑ گئی۔میں تڑپ کر باہر جانے والے راستے پر آ گیا۔وہ دس بارہ لوگ تھے اور ان میں سب سے آگے چھاکا کھڑا تھا جو

سپاہیوں سے کہہ رہا تھا۔

''ہماری تم لوگوں سے دشمنی نہیں ہے' جو ہتھیار پھینک کر ایک طرف ہو جائے گا' اسے کچھ نہیں کہیں گے' فوراً ہٹ جاؤ۔''

انہوں نے گاڑی کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ میں باہر نکلا لیکن میرے ساتھ والے حوالاتی باہر نہیں آئے' وہ وہیں دبکے بیٹھے رہے۔ میں تیزی سے باہر نکلا اور چھاکے کے پاس جا پہنچا' اس نے کوئی بات کیے بغیر پسٹل مجھے دے دیا تو ایک طرح کی قوت میرے اندر بھر گئی۔

''چل نکلتے ہیں۔'' چھاکے نے کہا تو میں نے منیر باجوہ کی طرف دیکھتے ہوئے چھاکے سے کہا۔

''ذرا ٹھہر' تھوڑا ادھار چکا لوں۔''

''تم نکل جاؤ' میں تمہیں کچھ نہیں کہتا۔'' وہ مجھے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر بولا۔

''تو کچھ نہ کہہ لیکن مجھے تو کچھ کہنا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے بولٹ مارا اور اس کی ران پر نال رکھ کر فائر کر دیا۔ وہ دھم سے زمین پر گر گیا۔ میں نے دوسرا فائر اس کی دوسری ران میں کیا تو وہ تڑپنے کی ساتھ اونچی آواز میں چیخنے لگا۔ تب میں اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا'' میں تجھے ماروں گا نہیں کیونکہ' زندہ رہے گا تو دوبارہ ملاقات ہوگی۔''

میں انہیں ویسے ہی چھوڑ کر چھاکے کے ساتھ کار میں آ بیٹھا۔ انہوں نے دو کاریں اور موٹر سائیکل لے کر یہ کارروائی کی تھی۔ ہم نے وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا' بلکہ وہاں سے نکلتے چلے گئے۔

''مجھے رات ہی معلوم ہو گیا تھا ان کی خباثت کا' اس لیے میں نے سوچا کہ جب وہ پوری طرح اپنی خباثت دکھا لیں تو میں ایسا کروں۔'' چھاکے نے مجھے بتایا

''ہم واپسی نور نگر تو نہیں جا سکیں گے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''نہیں' تجھے سوہنی کے پاس بھیج دینا ہے' تو چند دن وہاں رہ کر سکون کر' پھر دیکھتے ہیں۔'' چھاکے نے یوں کہا جیسے وہ پہلے ہی سوچ چکا ہو' میں خاموش ہو گیا۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دس منٹ ہوئے ہوں گے کہ اچانک ہم پر فائر ہونا شروع ہو گئے' اس افتاد پر ہم چونک گئے کہ یہ کون ہے' پولیس والے اتنی جلدی ہمارے پیچھے نہیں آ سکتے تھے' میں نے گھوم کر دیکھا' ہمارے پیچھے فور وہیل جیپیں تھیں۔ ایک فور وہیل کی چھت سے سر نکالے ایک بندہ فائر کر رہا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' چھاکے نے تذبذب میں کہا۔ اب کس کو کیا معلوم کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔ جانی شوکر اگلی گاڑی میں تھا اور موٹر سائیکل اس سے آگے۔ اچانک ہماری کار کا ٹائر برسٹ ہو گیا' اور کار ہچکولے کھانے لگی۔ اس کی رفتار بھی زیادہ تھی۔ ڈرائیور نے بہت مشکل سے اسے قابو میں کیا لیکن پھر بھی وہ ایک کیکر کے درخت میں جا لگی۔ اچانک ہی سب کچھ آناً فاناً ہو گیا۔ خود کو بحفاظت پا کر میں تیزی سے باہر نکلا' تب تک جانی شوکر اور اس کے ساتھی حملہ آوروں کی فائرنگ کا جواب دینے لگ گئے تھے۔ وہ سڑک میدان جنگ بن گئی تھی۔ میری پشت پر ریلوے لائن تھی۔ فور وہیل گاڑیاں وہ پار نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لیے میں نے چھلانگ ماری اور ریلوے ٹریک کے دوسری طرف چلا گیا۔ وہاں تپتی ہوئی

زمین پر لیٹ کر میں نے چھت سے سر نکالے حملہ آور پر فائر کر دیا۔ گولی اس کے سر میں لگی تھی اور وہ لڑھکتا ہوا گاڑی میں غائب ہو گیا۔ ایسا ہی میں نے پچھلی گاڑی والے کے ساتھ کیا۔ وہ بھی لڑکھڑاتے ہوئے گاڑی کے اندر غائب ہو گیا۔ میں نے دیکھا' چھاکا اور ڈرائیور بھاگ کر جانی شوکر والی گاڑی میں چلے گئے ہیں۔ وہ ایک سمت سے شدید فائرنگ کرنے لگے تو حملہ آوروں کی طرف سے بھی اس طرح کی شدت ہونے لگی۔ میرے میگزین میں چند گولیاں تھیں' جنہیں میں حکمت عملی ہی سے استعمال کر سکتا تھا۔ میں شست لیے لیٹا ہوا تھا کہ کوئی میری رینج میں آئے۔ میں کسی طرح بھی چھاکے وغیرہ کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ میرے ذہن میں یہی خیال آ رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس فائرنگ میں کمی ہو تو پتہ چلے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں؟ بلاشبہ ان کا تعلق ہمارے انہی دشمنوں سے تھا جو مجھے گھیر کر مارنا چاہتے تھے اور وہ شاہ زیب کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔ میں نے شست لے کر چار گولیاں اس طرح چلائیں کہ ان کی گاڑیوں کے دو دو ٹائر برسٹ کر دیئے۔ ان کی گاڑیاں ناکارہ ہو گئی تھیں اور وہ وقتی طور پر پیچھا نہیں کر سکتے تھے۔ اچانک میری نگاہ سڑک پر دور سے آتی ہوئی پولیس گاڑیوں پر پڑی' ممکن ہے۔ وہ انہی کی اطلاع پر آئی ہوں یا منیر باجوہ وغیرہ کے' وہ کسی نزدیکی تھانے سے تھیں یا کیا تھا' بہر حال پولیس کی گاڑیاں دندناتی ہوئی آ رہی تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ حملہ آوروں کی سمت کی طرف سے آ رہی تھیں۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہی تھا کہ چھاکا لوگ وہاں سے بھاگ جائیں' ورنہ جو لاشیں گرتی سو گرتیں' باقی گرفتار ہو جاتے' اور انہوں نے یہی عقل مندی کی وہ فائرنگ کرنا چھوڑ کر ایک دم سے سرپٹ بھاگ نکلے۔ اب میرا وہاں بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں جنوب کی طرف نشیب میں اُترا اور تقریباً بھاگتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو جانا چاہتا تھا۔ میرے سامنے دور تک ریتلی زمین تھی جس میں جابجا جھاڑیاں تھیں۔ میں اس پر بھاگتا چلا جا رہا تھا۔ ایک جگہ مجھے جھاڑیوں کا جھنڈ سا دکھائی دیا۔ میں اس میں ستانے اور سانس لینے کے لیے چھپ کر بیٹھ گیا۔ مجھے جب ذرا سا ہوش آیا تو میں نے پلٹ کر دیکھا۔ میں تقریباً کلومیٹر سے زیادہ سفر طے کر آیا تھا اور کچھ لوگ ریلوے ٹریک پر پھر رہے تھے۔ دور دور تک وہاں ریتلی زمین تھی جس میں چھوٹی بڑی جھاڑیوں کے سوا کچھ نہیں تھا' میں وہاں دبک کر بیٹھا رہا اور ان لوگوں کو دیکھتا رہا'۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں دکھائی نہیں دیئے لیکن میں نے رسک نہیں لیا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میری طرح بھی کہیں چھپے اس تاک میں تو نہیں کہ اگر میں یہاں ہوں تو باہر نکلوں گا۔ مگر شام تک کچھ ایسا نہیں ہوا۔

سورج مغرب کی آغوش میں ڈوبنے کو بے تاب تھا کہ میں وہاں سے نکلا۔ میں بڑے محتاط انداز میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ مجھے کسی بستی کی تلاش تھی۔ وہاں سے میں کوئی نہ کوئی مدد لے سکتا تھا۔ پھر میں یہ سوچنے لگا کہ انہیں کیا جھوٹ سچ کہہ کر مطمئن کروں گا کہ وہ میری مدد کرنے کو تیار ہو جائیں۔ مجھے بہر حال کسی بستی کو تلاش کرنا تھا اس لیے چلتا گیا۔ اس وقت میرے حواس قابو میں آنے لگے' جب میں نے کچھ دور ایک بستی کے آثار دیکھے۔ میں تیزی سے اس طرف بڑھ گیا۔

اس وقت اندھیرا چھا چکا تھا' جب میں اس بستی کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا' گاؤں کے ایک طرف لکڑیاں گاڑ کر اور جھاڑیوں کی مدد سے دائرے کی صورت میں باڑ لگائی ہوئی تھی۔ اس میں گائیں اور کچھ اونٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سے ذرا ہٹ کر بستی تھی۔ ان مویشیوں کے پاس کوئی نہ کوئی بندہ ضرور ہوگا' یہی سوچ کر میں اس جانب بڑھ گیا۔ میرے اندازے کے مطابق ایک نوجوان سا لڑکا دھوتی باندھے اوپری جسم سے ننگا تیزی سے مویشیوں کے سامنے چارہ رکھ رہا تھا۔ اس سے ذرا دور ایک دوسرا شخص گائے کا دودھ دوھ رہا تھا۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ تبھی چارہ

ڈالنے والے کی نگاہ مجھ پر پڑی تو وہ ٹھٹک کر میری جانب دیکھنے لگا' پھر اونچی آواز میں پوچھا۔

''کون جوان ہے تو......؟''

''میں ایک مسافر ہوں' کچھ دیر آپ لوگوں کے پاس ٹھہرنا چاہتا ہوں۔''میں نے تیزی سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے' آ جاؤ' پر دھیان سے تمہارے راستے میں کتا بندھا ہوا ہے۔'' اس نے کہا' تو میں کتے سے بچ کر آگے بڑھا' وہ کتا بھی کوئی بلا چیز تھا' کافی بڑا منہ تھا اس کا اور اچھا خاصا قد' لیکن یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ایک اجنبی کو قریب پاکر وہ ذرا بھی نہیں بھونکا تھا۔ یہی سوال جب میں نے اس نوجوان سے کیا تو وہ بولا۔''ابھی بندھا ہوا ہے اور ہم اردگرد پھر رہے ہیں' اس لیے یہ خاموش ہے۔ کتے بھی نسلی ہوتے ہیں۔ خیر تو آ بیٹھ......''اس نے ایک چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں اس پر بیٹھ گیا تو چند منٹ بعد پانی لے کر میرے پاس آ گیا۔ دوسرا آدمی آرام سے دودھ دھوتا رہا۔ میں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا تو اس نے مجھ سے پوچھا۔''کھانا کھائے گا؟''

''اگر زحمت نہ ہو تو کھلا دو' میں بہرحال آپ سے مدد چاہوں گا کہ کسی نہ کسی طرح مجھے میرے قصبے پہنچا دو۔''

''کون سی جگہ سے ہے تو......؟''اس نے سمجھنا چاہا تو میں نے اسے سمجھا دیا۔ تبھی وہ بولا۔''وہ تو یہاں سے کافی دور ہے......''

''چلو آپ مجھے کسی نہ کسی طرح سڑک تک پہنچا دو' جس طرف سے میں آیا ہوں۔''میں نے التجائیہ انداز میں کہا تو اس وقت وہ بندہ جو دودھ دوھ رہا تھا' اٹھتے ہوئے بولا۔

''یار ابھی تو آیا ہے' ذرا سا سانس لے' کھانا وانا کھا' پھر پہنچا دیتے ہیں۔ اتنی جلدی کیا ہے؟''

''ٹھیک ہے۔''میں نے پرسکون ہوتے ہوئے کہا۔ میں کافی حد تک تھک چکا تھا لیکن ان کا دوستانہ رویہ دیکھ کر میری ساری تھکن جاتی رہی تھی۔ تبھی مجھے ایک دم سے احساس ہوا کہ میرے پاس پسٹل ہے' کہیں اسی وجہ سے یہ متنفر نہ ہو جائیں۔ تب میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''بھائی......! یہ میرے پاس اکلوتا ہتھیار ہے' چاہو تو آپ اسے اپنے قبضے میں لے سکتے ہو۔''یہ کہہ کر میں نے پسٹل نکال کر چارپائی پر رکھ دیا۔

''تو اس کا مطلب ہے تو کوئی شریف آدمی نہیں ہے' خیر......! تو اب اگر ہمارا مہمان بن ہی گیا ہے تو رکھ اسے اپنے پاس' تیرے لیے روٹی لاتے ہیں تو پھر بات کرتے ہیں۔''یہ کہہ کر وہ دونوں وہاں سے نکلتے چلے گئے۔ میں حیران تھا کہ انہوں نے اتنی جلدی مجھ پر اعتماد کر لیا تھا۔ مگر میری یہ خام خیالی تھی' اس کا مجھے بہت بعد میں احساس ہوا۔ اس وقت میں اس بات پر حیران تھا اور سیدھا ہو کر چارپائی پر لیٹ گیا مجھے بہت سکون محسوس ہوا۔ اس لیے لیٹتے ہی میری آنکھ لگ گئی۔

میری آنکھ کھلی تو وہ دونوں اپنے ہاتھوں میں چنگیر اور برتن پکڑے کھڑے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں پانی تھا' اس نے میرا منہ ہاتھ دھلوایا اور پھر کھانا میرے آگے رکھ دیا۔ میں نے سیر ہو کر کھایا۔ اس دوران وہ مجھ سے پوچھتے رہے کہ میں کون ہوں؟ اور کہاں سے آیا ہوں۔ میں نے انہیں ساری بات سچ بتا دی۔

''دیکھ میرے بھائی......! جو تو نے کہا ہے اگر یہ سچ ہے تو پھر تو رات یہیں رہ' صبح میں خود تجھے سڑک پر چھوڑ آؤں گا' لیکن اگر تو نے جھوٹ

بھی بولا ہے تو ہمیں کوئی نقصان نہیں۔ صبح تجھے سڑک تک پہنچا ہی دیں گے اس لیے کہ تو اب ہمارا مہمان ہے۔'' بڑے بھائی نے کہا جو دودھ دھو رہا تھا۔

''میں نے پہلے سوچا تھا کہ آپ لوگوں سے جھوٹ سچ کہہ دوں گا' لیکن سچ بولنے کا حرج بھی کوئی نہیں ہے۔ اب جو چاہو' آپ لوگ میرے ساتھ سلوک کر سکتے ہو۔''

''ہم ان ویرانوں میں یونہی نہیں بیٹھے' ورنہ ہم روز لٹ جاتے' تیری طرح کوئی آتا اور پسٹل دکھا کر ہمارا مال ہم سے چھین کر لے جائے۔ ہم اپنا بندوبست رکھتے ہیں۔ تم ہماری بستی میں اپنی مرضی سے آ گئے ہو لیکن یہاں سے جاؤ گے ہماری مرضی سے۔ خیر...... اگر تجھے جانے کی اتنی جلدی نہ ہو تو کل دوپہر کے وقت تجھے تیرے قصبے تک پہنچا سکتے ہیں۔'' ان میں سے بڑے نے کہا۔

''وہ کیسے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہاں گاڑی آتی ہے دودھ لینے کے لیے' وہ جب واپس جائے گی تو اس میں تجھے بٹھا دیں گے' وہ اس قصبے میں جاتی ہے۔'' بڑے نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جیسے آپ لوگوں کی مرضی' آپ کا اتنا بڑا احسان ہے کہ آپ نے رات یہاں ٹھہرنے دیا۔ ویسے میں پیدل بھی واپس چلا جاؤں گا۔'' میں مایوسانہ انداز میں بولا۔

''نہیں یار' تجھے سڑک تک چھوڑ دیں گے۔'' ان میں سے چھوٹے نے ہنستے ہوئے کہا۔ تبھی ذرا فاصلے پر بنی جھونپڑی کی چھت پر سے ایک بندہ اتر آیا۔ وہ ان کا تیسرا بھائی تھا' اس کے ہاتھ میں گن تھی۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اترا تو چھوٹا وہی گن لے کر اوپر چلا گیا۔ مجھے ان کی خود اعتمادی کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ اس لیے مجھے لیٹتے ہوئے پھر نیند آ گئی لیکن یہ نیند بڑی کچی تھی' کچھ دیر بعد یونہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا جیسے بے چینی اندر بھر گئی ہو۔ ممکن ہے اجنبی جگہ ہونے کے باعث ایسا ہو رہا ہو یا شاید کچھ دیر پہلے جو تھوڑی سی نیند لی تھی اس باعث ہو۔ بہرحال میں کچی پکی نیند میں پڑا رہا۔

رات کا نجانے وہ کون سا پہر تھا' جب مجھے لگا کہ ماحول روشنی سے نہا گیا ہے۔ ایک لمحے کو تو یوں لگا جیسے دن چڑھ آیا ہے مگر جیسے ہی میں اپنے حواسوں میں آیا تو مجھے سمجھ آئی' کسی گاڑی کی تیز روشنی باڑے کی طرف پڑ رہی تھی۔ کتا بڑے الرٹ انداز میں ان کی طرف دیکھ کر یوں کھڑا تھا جیسے ابھی جھپٹنے کے لیے چھلانگ لگا دے گا۔ ایسی ہی ایک فور وہیل دوسری طرف رخ کیے کھڑی تھی۔ میں ابھی صورت حال سمجھ ہی رہا تھا کہ بڑا بھائی تیزی سے باڑے میں آیا اور مجھ سے بولا۔

''یار! تو نے جو کہا وہ سچ ہے' اس کی تصدیق ہو گئی ہے۔ ایسے سچے بندے کا ہر طرح سے ساتھ دینا چاہیے لیکن کیا کروں' ہماری ہی بستی کے ایک بندے نے اپنے بھولپن کی وجہ سے تمہارے بارے میں بتا دیا ہے' اور میں نے ان سے جھوٹ بول دیا ہے کہ تم آئے تھے لیکن شام ہی کے وقت تم چلے گئے تھے۔ میں جانتا ہوں وہ تصدیق کیے بغیر نہیں ٹلیں گے۔ اس لیے تم نکل جاؤ یہاں سے۔''

''نکل جاؤں.....؟'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ پھر میں نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ ''مگر وہ ہیں کون؟''

''وہ شاہ زیب ہی کے لوگ ہیں انہوں نے ہی حملہ کیا تھا' وہی اپنے ساتھ پولیس لگا کر لائے تھے۔ اس وقت اگر وہ یہاں آئے ہیں تو ہمارے علاقے کے بڑے زمیندار پیر سائیں کے بندوں کو ساتھ لائے ہیں۔ ہم پیر سائیں کو انکار نہیں کر سکتے۔ ہم تمہیں چھپا بھی نہیں سکتے کہ پھر بعد میں شکوہ آئے گا..... تم نکل جاؤ۔'' اس نے یوں کہا جیسے ابھی رو دینے کو ہو۔

''اگر ہم پیر سائیں کے پاس چلے جائیں تو......'' میں نے یونہی ایک خیال کے تحت کہا۔

''وہ تجھے پکڑ کر شاہ زیب کو دے دے گا' کیونکہ وہ تم سے پہلے ان کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ تُو دیر نہ کر اور نکل جا' زندگی رہی تو صبح تک تجھے کوئی نہ کوئی بستی مل جائے گی۔''

''ٹھیک ہے......'' میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے پسٹل اٹھا کر اڑسا' جوتے پہنے اور اس طرف چل دیا جدھر بڑے بھائی نے اشارہ کیا تھا۔ وہاں باڑ میں سے ایک چھوٹا سا راستہ تھا۔ اس طرف اندھیرا تھا۔ میں اس طرف ہی سے نکلا تھا کہ کافی سارے لوگ باڑ کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میں خاموشی سے دبک کر بیٹھ گیا۔ بلاشبہ انہیں یقین نہ آیا ہوا اور وہ تصدیق کرنے باڑ کی طرف آ گئے تھے۔ اس لمحے بڑا بھائی تیزی سے جھونپڑی میں چھپ گیا۔ اب میرا وہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا' اپنی ہمت مجتمع کی اور جدھر میرا منہ ہوا ادھر چل پڑا۔ میں نے اپنے تئیں سڑک کی طرف جانے والے راستے ہی کو اپنایا تھا' میں تیز تیز قدموں سے چلتا چلا گیا۔ راستے میں جھاڑیاں ہیولوں کی مانند لگ رہی تھیں۔ اگرچہ میں سمجھتا تھا کہ انسانی ذہن جب خوف زدہ ہو تو وہ اپنے ہی بنائے ہوئے ہیولوں سے ڈرتا رہتا ہے۔ میرا بھی کچھ ایسا حال تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی کسی جھاڑی کی اوٹ سے کوئی بندہ برآمد ہو گا اور مجھ پر جھپٹ پڑے گا' اس کے علاوہ مجھے صحرائی جانوروں سے بھی محتاط رہنا تھا' میں بڑھتا چلا جا رہا تھا' چاندنی رات ہوتی تو شاید میں اتنا نہیں گھبراتا' لیکن موت کا خوف اور زندگی بچانے کا حوصلہ مجھے آگے ہی آگے بڑھائے لیے جا رہا تھا۔

نجانے میں نے کتنا سفر کیا تھا۔ میرے حلق میں کانٹے پڑ چکے تھے' اور زبان خشک ہو چکی تھی۔ مشرق کی جانب سے صبح کی سرخی نمودار ہو گئی تھی اور میری ٹانگیں تھکن کی وجہ سے جواب دے رہی تھیں۔ اندھیرا ہونے کے باعث مجھے کوئی بستی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ اگر میں رکا تو شاید میں گرتے ہی بے ہوش ہو جاؤں گا۔ میں بے تابی سے سورج کے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ زندگی میں کبھی بھی مجھے سورج دیکھنے کی اتنی بے تابی نہیں ہوئی تھی۔ میں اپنے آپ کو سنبھالتا ہوا چلتا چلا جا رہا تھا۔ میرے دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی ختم ہو رہی ہے۔ دھند لکا سا پھیل رہا تھا۔ اردگرد کا منظر تھوڑا واضح ہونے لگا تو مجھے ایک اونچا ٹیلا دکھائی دیا۔ میں اس پر چڑھنے لگا' تاکہ دور دور تک دیکھ سکوں کہ کوئی بستی ہے یا پھر کوئی زندگی کے آثار ہیں تو میں اس طرف جا سکوں۔ میں ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اس وقت مجھے سخت مایوسی ہوئی جب دور دور تک لق دق صحرا تھا اور جھاڑیاں تھیں۔ ایک دم سے میرا حوصلہ جواب دے گیا' اور پھر مجھ میں اٹھنے کی سکت ہی نہ رہی۔ میں اپنی ماں کو نہ چاہتے ہوئے بھی یاد کرنے لگا۔ اس کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ میں اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن زبان کو حرکت نہیں دے پا رہا تھا۔ میں رونا چاہتا تھا' مگر رو نہیں پا رہا تھا۔ اچانک میری ماں کی اوٹ سے سوہنی کی جھلک دکھائی دی۔ میں اس

سے کہنا چاہتا تھا کہ میری ماں کا خیال رکھنا۔ میں اس سے کہہ نہیں پایا۔ مجھے بہت افسوس ہو رہا تھا۔ کافی دور کھڑا چھاکا میرے پاس آنا چاہتا تھا' پر وہ نہ جانے کیوں نہیں آ رہا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھنا چاہتا تھا لیکن بڑھ نہیں سکتا تھا۔ میں بے حس وحرکت ہو گیا تھا۔ ہلنے کی سکت بھی نہیں بچی تھی۔ میں چیخ کر انہیں اپنے پاس بلانا چاہتا تھا' پر میری آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ہوا کی سائیں سائیں کچھ زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ رنگ برنگے ستاروں کی کہکشاں لگ گئی' وہ بلبلوں کی طرح ادھر ادھر پھیل رہے تھے۔ اس دوران اماں' سوہنی اور چھاکے معدوم ہوتے چلے جا رہے تھے۔ میں ان کی طرف بڑھنا چاہتا تھا مگر نہ چاہتے ہوئے بھی میں نیند میں ڈوبتا چلا جا رہا ہوں۔ پھر مجھے اپنا ہوش نہیں رہا۔

☆ ☆ ☆

جسپال اور رانا چرن سیٹ مل جانے پر بیٹھ گئے تھے۔ تبھی جسپال نے منالی کو سیل فون پر پیغام کے ذریعے بتایا کہ وہ کس صورت حال میں ہیں۔ جس پر منالی نے جواباً پیغام بھیج دیا تھا کہ فی الحال وہ ''سیسر'' پہنچیں' وہاں سے پھر آگے جانا ہے یا امرتسر کی طرف جو بھی ہوگا' وہ طے کر کے بتاتے ہیں۔ تاہم پولیس پورے زور وشور سے تلاش کر رہی ہے۔ اس کے لیے وہ جدید ترین آلات کی بھی مدد لے رہے ہیں۔ اس قتل کا شور اس لیے بھی نیوز چینل پر زیادہ ہے کہ یہ رویندر سنگھ ایم ایل اے کے دوسرے بیٹے کا قتل تھا۔ ابھی تک خود رویندر سنگھ کا بیان جاری نہیں ہوا تھا' کیونکہ وہ دہلی سے چندی گڑھ آ رہا تھا۔ حالات بہت کشیدہ تھے۔ وہ ایک دوسرے سے پیغام رسانی کر رہے تھے کہ اچانک رانا چرن یوں تڑپا جیسے کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔

''کیا ہوا؟'' جسپال نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ...... وہ دیکھو سامنے سڑک پر......'' اس نے سرگوشی میں کہا تو جسپال نے سڑک پر دیکھا جو کار انہوں نے کچھ دیر پہلے اسٹاپ پر چھوڑی تھی' وہی کار سڑک پر تھی۔ اس کے ساتھ پولیس کی گاڑیاں جا رہی تھیں۔ بلاشبہ وہ ان کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہ بعید نہیں تھا کہ وہ بس رکوا کر اس کی تلاشی لینے لگتے۔ پولیس درست سمت میں ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ اگلے اسٹاپ پر یا کہیں بھی تلاشی ممکن تھی۔ یہ انتہائی خطرناک صورت حال تھی۔ پولیس گھیر رہی تھی اور وہ گھیرے میں آ جانے والا تھا۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ چلتی ہوئی بس سے چھلانگ لگا دیتا۔ کیا اسے فوراً بس چھوڑ نا ہوگی' یا پھر صبر سے کام لیتے ہوئے بے نیاز بنے رہنا چاہیے؟ کیا وہ اسے پہچان لیں گے؟ تبھی اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا ہے؟

''سکون سے بیٹھے رہو۔'' جسپال نے آہستگی سے کہا اور منالی کو پیغام بھیج دیا کہ صورت حال کیا ہے۔ چند لمحوں بعد اس کا فون آ گیا۔

''صورت حال تو خطرناک ہو گئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دو۔ مجھے وہاں سے نکلتے ہوئے کچھ دیر ہو گئی ہے' میں کچھ دیر بعد گھر پہنچ رہی ہوں' میں پھر بتاتی ہوں کہ کیا کرنا ہے۔''

''تب تک......'' اس نے محتاط انداز میں کہا جسے منالی سمجھتے ہوئے بولی۔

''کسی طرح سیسر تک پہنچ جاؤ' ویل اینڈ گڈ' آگے بہت ہیں سنبھالنے والے' اگر ضرورت محسوس کرو کہ تمہیں بس چھوڑنا ہے تو چھوڑ دینا۔ میں تم سے رابطہ میں ہوں' سیل فون کی حفاظت کرنا' اوکے۔''

''اوکے......!'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ رانا چرن اس کی طرف تجسس بھرے انداز میں دیکھ رہا تھا۔ جسپال نے اس کا ہاتھ تھپکا' جس

کا یہی مطلب تھا کہ وہ پرسکون رہے اس نے دھیرے سے سیٹ کے ساتھ پشت لگالی۔ گویا اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ بس اپنی مخصوص رفتار سے چلتی چلی جارہی تھی۔ جسپال کی پوری توجہ سڑک پر تھی۔ اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے اور وہ پوری طرح تیار تھا کہ اگر پولیس نے کہیں بھی بس روک کر تلاشی شروع کر دی تو وہ پولیس کا سامنا کرنے کے لیے رکے گا' بھاگے گا نہیں۔ اس کی پوری کوشش ہوگی کہ شک نہ ہونے دے۔ لیکن اگر انہوں نے شک کی بناء پر بھی اسے پکڑ لیا تو صورتحال کے مطابق اپنے آپ کو بچانے کی پوری کوشش کرے گا۔

انسان خود کو جتنا مرضی مظلوم سمجھے' بدلے یا انتقام میں جس حد سے بھی گزر جائے' ردعمل میں جتنی مرضی شدت ہو' جرم آخر جرم ہوتا ہے۔ اس کا احساس انسان کے اعصاب پر حاوی ضرور ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص گناہ کی نیت سے جرم نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی توجیہ' بہانہ یا وجہ تلاش کر لی جاتی ہے' تبھی پوری شدت سے جرم کر لیا جاتا ہے' لیکن جس طرح اچھے کام کی ایک روحانی خوشی ہوتی ہے' اسی طرح جرم کرنے کا بھی احساس منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ جسپال اس وقت اسی اثر سے گزر رہا تھا۔ پھر وہی ہوا جس کا وہ منتظر تھا۔ ایک طویل قطار لگی ہوئی تھی اور پولیس تلاشی لے رہی تھی۔ اب یہ وقت نہیں تھا کہ وہ منالی سے ہدایات لیتا پھرے۔

''ہم پنجاب اور راجھستان کی سرحد پر ہیں۔ اور یہاں پولیس کی بہت بڑی چوکی ہے۔'' رانا چرن نے بڑبڑاتے ہوئے اسے بتایا' جس پر جسپال خاموش رہا۔ وہ خود کو آنے والے وقت اور حالات کے لیے تیار کر رہا تھا۔ بڑی اور چھوٹی گاڑیوں کی دو قطاریں تھیں' جنہیں بڑی تیزی سے چیک کیا جارہا تھا۔ تبھی دو پولیس والے اس بس میں بھی آگئے۔ انہوں نے سبھی سواریوں پر ایک نگاہ ڈالی' ان کا انداز انتہائی مشکوکانہ تھا' جسپال نے انہیں اکتاہٹ بھرے انداز میں دیکھا اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ پولیس والے ابھی تک گاڑی ہی میں تھے کہ ایک تیر طرار لڑکا بس میں آیا' اس کے پاس ہینڈی کیم تھا' اس نے آناً فاناً سب کی تصویریں بنائیں اور اتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دونوں پولیس والے بھی اتر گئے۔ بس رینگنے لگی' کچھ ہی دیر بعد وہ چوکی پار کر گئے تھے۔ تقریباً دو کلومیٹر چلنے کے بعد بس ایک ڈھابے پر رک گئی۔ اگرچہ یہ اتنا لمبا سفر نہیں تھا کہ کچھ کھانے پینے کی ضرورت محسوس ہو۔ مگر یہ ڈرائیور کی مرضی تھی۔ اس نے گاڑی روک دی۔ وہ دونوں اترے اور ایک الگ تھلگ میز کے قریب کرسیوں پر جا بیٹھے۔

''ہم اس وقت راجھستان میں ہیں۔ پنجاب پولیس کا اثر یہاں پر نہیں ہے' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم خطرے سے باہر ہیں' ممکن ہے یہاں خفیہ والے پھر رہے ہوں۔'' رانا چرن نے کہا تو جسپال نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''سیسر یہاں سے تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جب تک اس بس نے یہاں سے چلنا ہے' میں اس وقت تک آپ کو سیسر پہنچا سکتا ہوں۔'' وہ کافی حد تک شوخ انداز میں بولا۔

''وہ کیسے؟'' اس نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

''یہاں بسوں کے علاوہ کاریں بھی کھڑی ہیں۔ لاک کیسا بھی ہو' میں کھول لیتا ہوں۔ آپ بس سڑک تک چلیں' میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔ ہم نکل چلیں گے۔ سیسر میں جا کر چھوڑ دیں گے۔'' رانا چرن نے فخریہ انداز میں کہا اور اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کر دی۔ اس دوران دیر

چائے کا آرڈر لے گیا۔

''یار ہمیں رسک لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ منالی ہمیں کچھ بتائے گی' اس کا مطابق ہمیں آگے چلنا ہے۔ تم ذرا صبر کرو' میں دیکھ لوں گا تمہاری مہارت ......'' جسپال نے کہا اور منالی کے نمبر ملانے لگا۔ چند لمحوں بعد رابطہ ہو گیا۔ تبھی وہ پریشان لہجے میں بولی۔

''بس میں وہ......تم سے رابطہ کرنے والی تھی۔ میں دوسری طرف دیکھ رہی تھی' وہ......''

''منالی......تم ہوش میں ہو' کیا پریشانی ہے؟''

''ابھی تو کوئی پریشانی نہیں' بس میں یہی سوچ رہی تھی کہ تم سیسر پہنچ جاؤ تو پھر آگے کسی کے سپرد کر دوں...... میں اسی رابطے میں لگی ہوئی تھی۔ کب تک پہنچ رہے ہو سیسر؟'' اس نے پوچھا۔

''یار......! میں تو چاہتا ہوں ابھی اور اسی لمحے پہنچ جاؤں لیکن اب تو یہ بس ڈرائیور پر منحصر ہے کہ وہ ہمیں کب لے کر جاتا ہے۔''

''تم لوگ وہاں سے جلدی نہیں نکل سکتے۔ یہ رانا کو کہو کوئی تگڑم لڑائے' تم بہت جلدی یہاں سے نکل جاؤ' یہی اچھا ہے۔'' وہ تیزی سے اس طرح بولی جیسے وہ بے حد پریشان ہے۔

''تم بتاؤ' بات کیا ہے' پریشانی......'' جسپال نے کہنا چاہا تو اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''رانا سے بات کراؤ' میں اسے کہتی ہوں۔''

جسپال نے فون رانا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ چند لمحے بات سنتا رہا' پھر فون بند کر کے جسپال کو واپس دے دیا۔ اس کے چہرے پر بہت حد تک سنجیدگی آ چکی تھی۔ اس نے جسپال کی بات نہیں سنی' بلکہ اسے کہا۔

''جسپال! میرے بعد اٹھ کر سڑک کے کنارے پہنچ جانا' میں آتا ہوں۔''

''بات کیا ہوئی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''بعد میں بتاتا ہوں۔'' اس نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔ جسپال تذبذب میں اٹھ کر ٹہلنے والے انداز میں اٹھ گیا اور چلتا ہوا بس کی اوٹ سے سڑک کی جانب بڑھ گیا۔ ڈھابے سے سڑک تک کا فاصلہ کوئی دو سو گز تھا۔ اسے وہاں تک پہنچنے میں پانچ منٹ سے بھی کم وقت لگا۔ اس نے گھوم کر دیکھا' رانا ایک گاڑی کی ڈرائیونگ سائیڈ کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہ نئے ماڈل کی ہنڈا تھی۔ چند لمحوں بعد وہ اس میں بیٹھ چکا تھا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا کہ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی' پھر تیزی سے گھوما' سڑک کی جانب بڑھتا چلا آیا۔ گاڑی اس کے قریب رکی تو وہ اس میں بیٹھ گیا۔ رانا نے پہیر پر ہی رفتار بڑھا دی' گاڑی نئی تھی' اس لیے اس کی پک اپ بھی زیادہ تھی' کچھ دیر بعد وہ تیز رفتاری سے کافی دور تک نکل آئے۔

''اب بتاؤ' منالی پریشان کیوں تھی؟''

''شاپنگ مال کے سی سی کیمروں میں تمہاری ساری کارروائی ریکارڈ ہو گئی ہے۔ اس میں صرف تمہی نہیں' منالی بھی واضح ہے' پولیس اسے بھی تلاش کر رہی ہے۔''

''منالی کواب گھر آ کر پتہ چلا......؟''جسپال نے تیزی سے پوچھا۔

''ہاں......! دراصل تمہاری تصویراور نام اس وقت مختلف چینلز پر چل رہے ہیں۔ تمہیں پہچان لیا گیا ہے۔اس لیے اب چند دن کے لیے تجھے کسی محفوظ ترین ٹھکانے پر رہنا لازمی ہوگا۔''رانا نے کافی حد تک تشویش زدہ لہجے میں کہا تواس نے اپنے اندر شدت محسوس کی۔ایک دم سے جو خوف اس کے اندر موجود تھا' وہ نجانے کہاں غائب ہوگیا۔وہ بے خوف ہوگیا۔جب تک وہ چھپا ہوا تھا' اس کے ساتھ خوف بھی بندھا ہوا تھا۔اب اگر چینلز نے اسے دنیا کے سامنے لاکھڑا کیا تھا تو پھر خوف کس بات کا' آمنے سامنے کی جنگ شروع ہوچکی تھی۔وہ یہی سوچ رہا تھا کہ منالی کا فون آ گیا۔

''کیا تم پولیس سے محفوظ ہو؟''جسپال نے اس سے پوچھا۔

''مجھے زیرزمین جاتے اتنا وقت نہیں لگتا' میں اگلے دس منٹ میں خود کو سنبھال لوں گی۔ مجھے تمہاری فکر ہے۔ جب تک تم سیسر نہیں پہنچ جاتے' اس وقت تک میری ذمے داری میں ہو۔''

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ میری تصویراور......''اس نے پوچھنا چاہا تو وہ تیزی سے بولی۔

''میں خوامخواہ تمہیں ذہنی دباؤ میں نہیں لانا چاہتی تھی' اب اس لیے بتایا کہ ممکن ہے وہاں تمہیں کوئی پہچان لے اور مصیبت بن جائے' خیر' چھوڑو ان باتوں کو' وہ رویندر سنگھ ایئرپورٹ پر پہنچ چکا ہے' اور رپورٹر اس سے بات کررہے ہیں سنو' یہ کہتے ہوئے اس نے فون ٹی وی کے قریب کردیا۔کوئی بھاری آواز میں ٹھیٹ پنجابی زبان میں اکھڑے ہوئے لہجے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔''مجھے ابھی اس قاتل کی تصویر دکھائی گئی ہے' یہ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت پورے پلان کے ساتھ مجھے اور میرے خاندان کو مارنے کی کوشش تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف ایک بندے کا کام نہیں ہے' اس میں غیرملکی مداخلت اور شدت پسند تنظیموں کا پورا پورا ہاتھ ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمیں سیاست سے الگ کرنے کی سازش ہے۔میرے دو بیٹوں کو قتل کیا گیا۔ پولیس آفیسر بھی قربان ہوگئے اور ایک بیٹا ہسپتال میں موت وحیات کی کشمکش میں ہے۔میں حکومت سے مانگ کرتا ہوں کہ بڑے پیمانے پر اس گروہ کو تلاش کیا جائے' چوبیس گھنٹے کے اندر اس قاتل کو پکڑا جائے ورنہ میں احتجاجی طور پر پارلیمنٹ کے سامنے دھرنا دوں گا۔میرے ساتھ میرے سیاسی دوست بھی ہیں۔میں اس میں حکومت کی نااہلی سمجھوں گا کہ وہ قاتل کو چوبیس گھنٹوں میں گرفتار کرکے قانون کے حوالے نہ کرسکی۔کیا ہماری سیاسی اور قومی خدمات کا یہ صلہ دیا گیا ہے کہ ایک بوڑھے باپ کو اپنے جوان بیٹوں کی لاشیں اٹھانا پڑیں۔''

''کیا آپ کے بیٹے کی آخری رسومات گاؤں میں ہوں گی' یا یہیں چندی گڑھ میں۔''کسی نے سوال کیا۔

''یہیں......یہیں چندی گڑھ میں۔کل اسی وقت میں پارلیمنٹ کے سامنے ہوگا' اگر قاتل نہ پکڑا گیا تو' میرا تب تک احتجاج جاری رہے گا۔''

اس کے ساتھ ہی شور مچ گیا تو منالی کی آواز ابھری۔

''وہ ایئرپورٹ سے نکل گیا ہے۔''

''ٹھیک ہے' میں شہر کے قریب پہنچ کر تمہیں بتاتا ہوں۔''جسپال نے کہا تو وہ بولی

''زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تمہارا نام نہیں گیا ہے،سی سی کیمرے کی تصویر میں تم اتنے واضح نہیں ہو،ٹیک کیئر''

''او کے'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کے اندر ایک سکون اور طمانیت اتر آئی تھی۔ پہلی بار اس نے رویندر سنگھ کی آواز اس انداز میں سنی تھی' جب وہ ٹوٹا ہوا تھا' پہلی بار اس کی آواز میں طنطنہ تھا' اس بار وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی مانند لگ رہا تھا۔ اس کی پھوپھو سکھ جیت نے بھی اپنے پریوار کے قتل پر ایسا ہی دکھ محسوس کیا ہوگا۔ وہ ایک دم ماضی میں پہنچ گیا۔ آج اگر وہ زندہ ہوتیں تو اپنے دشمن کو ٹوٹتا ہوا دیکھ کر کس قدر پرسکون ہوتیں۔ مگر ابھی انتقام پورا نہیں ہوا تھا' وہ رویندر سنگھ کے چہرے پر دہشت اور خوف کی وہ پرچھائیں دیکھنا چاہتا تھا' جس کی اسے خواہش تھی۔ وہی لمحات اس کی پوری زندگی کا حاصل تھے۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ رانا چرن کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''سیسر شہر آ گیا ہے' منالی کو بتا دے......''

اس نے فوراً فون ملایا اور صورتحال کے بارے میں بتایا' جسپال نے فون لاؤڈ کر دیا تھا۔ رانا بھی سن رہا تھا۔ اس نے شہر کے باہر ہی ایک جگہ کی نشاندہی کی کہ وہاں انہیں فور وہیل جیپ میں دو آدمی ملیں گے' اس نے جیپ کا نمبر بھی بتا دیا۔ وہ جدھر لے جائیں' چپ چاپ ان کے ساتھ چلیں جائیں۔ چند لمحوں بعد اس نے فون نمبر اور جیپ کا نمبر بھی بھیج دیا۔ جسپال نے فوراً ہی اس نمبر پر رابطہ کیا تو دوسری طرف سے ذرا مختلف لہجے لیکن پنجابی ہی میں جواب ملا' ان کا رابطہ ہو گیا تو جسپال کافی حد تک مطمئن ہو گیا۔

شہر میں داخل ہونے سے ذرا قبل ایک بڑا سا راچوراہا تھا۔ وہ اسی چوراہے پر کھڑے تھے۔ وہ دونوں قد آور نوجوان تھے۔ ایک ذرا صحت مند تھا' اور دوسرا پتلا سا' دونوں کے نقوش تیکھے تھے۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے ان کی کار کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ ان کے عقب میں وہی فور وہیل جیپ کھڑی تھی۔ انہوں نے گاڑی قریب لے جا کر ایک طرف کھڑی کر دی اور ان کے پاس جا پہنچے۔ انہوں نے ہاتھ ملایا' پھر صحت مند نوجوان بولا۔

''میں راؤ وریام سنگھ اور یہ راؤ ہرنام سنگھ...... اب آپ کا کوئی بال بال بانکا نئیں کر سکتا۔ چلو گاڑی میں بیٹھو۔'' یہ کہہ کر وہ ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھ گیا' دوسرا آگے والی پسنجر سیٹ پر براجمان ہو گیا جب جسپال اور رانا پچھلی نشست پر سکون سے بیٹھ گئے' جیپ چلی تو ہرنام بولا۔

''مجا آ گیا جی' آپ کو دیکھ کے...... ٹی وی پر تو آپ کا پھوٹو بڑا ادھم نجر آ دے تھا۔ جوان ہو تو ایسا ہی...... پلس کو ہلا کے رکھ دیا۔ حکومتیں ڈھونڈ رہی ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب ہم نے جانا کہاں ہے؟'' جسپال نے پوچھا۔

''دو گھنٹے دے دو ہمیں بس...... صورت گڑھ میں اپنا گھر ہے' باپو آپ کا انتجار کر رہا ہے بڑی شدت سے' آپ کے بغیر روٹی نہیں کھانے والے...... آپ سکون کرو......'' وریام نے کہا تو وہ بہت حد تک مطمئن ہو گیا۔ اعصاب کو شل کر دینے والے حالات میں ذرا سکون ملا تو اس کی آنکھیں بند ہونی شروع ہو گئیں۔ اس نے فون رانا کو تھمایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ پھر وہ نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

جسپال کی جس وقت آنکھ کھلی تو گاڑی کے باہر کا منظر بدل چکا تھا۔ وہ بہترین شاہراہ تھی۔ جس کے دونوں طرف ریت تھی۔ بہت کم آبادی تھی۔ وہ کچھ دیر دیکھتا رہا' پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اسے جاگتا دیکھ کر ہرنام نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''جاگ گئے جی' بڑی گہری نیند سوئے جی' لگتا ہے کافی تھکن تھی۔''

''ہاں......! ایسا ہی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے پوچھا۔ ''ہم کہاں تک آ گئے ہیں؟''

''یہی گھر سے پندرہ بیس منٹ کے فاصلے پر آپ دو گھنٹے سوئے ہیں۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تبھی جسپال نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''اچھا......! میرے خیال میں جس وقت منالی نے آپ سے رابطہ کیا ہوگا' اس سے لے کر آپ تک ملنے میں آدھا گھنٹہ لگا ہوگا۔ آپ اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ گئے۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم کسی منالی کو نہیں جانتے اور نہ ہی ہماری اس سے بات ہوئی ہے۔'' وریام نے کہا تو جسپال کو ایک دم سے جھٹکا لگا۔ جبکہ وہ سامنے منہ کیے روانی سے کہتا چلا جا رہا تھا۔ ''باپو نے فون کر کے آپ لوگوں کے بارے میں بتایا' ہم یہاں ''اوگاڑی'' (بقایا) لینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اپنا بزنس پورے راجستھان میں ہے۔ ہم نہ ہوتے تو آپ کو ہمارے ملازمین لے جاتے۔''

''منالی نے اگر بات نہیں کی تو......'' اس نے پوچھا تو وریام درمیان ہی سے بولا۔

''یہ باپو ہی جانے۔''

اس کے یوں کہنے پر جسپال نے رانا کی طرف دیکھا' اس کے چہرے پر بھی کافی حد تک پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ اب وہ پتہ نہیں کون تھے' دوست یا دشمن' وہ انجانے میں کس کے ہتھے چڑھ چکے تھے۔ اگر وہ دشمن ثابت ہوتے تو بچاؤ بہت مشکل تھا۔ انجانی جگہ اور انجانے لوگ' لیکن نجانے کیوں اس کا دل مطمئن تھا' اگر وہ دشمن ہوتے تو اسے یوں سکون سے سونا نصیب نہ ہوتا اور اس کے پاس جو پسٹل تھا' وہ اب تک چھین لیا گیا ہوتا۔ وہ گاڑی میں نہیں کہیں بندھا ہوا پڑا ہوتا۔ وہ اس شش و پنج میں تھا کہ صورت گڑھ شہر آ گیا۔ سامنے ہی سائن بورڈ پر لکھا ہوا تھا' اس نے انگریزی میں پڑھ لیا تھا۔ وریام نے شہر میں داخل ہونے کی بجائے دائیں جانب والا ایک راستہ اختیار کیا۔ جسپال سکون سے بیٹھا رہا' شہر کے مضافات میں ایک بڑی حویلی کے گیٹ پر جیپ آن رکی' انہیں دیکھتے ہی گیٹ فوراً کھل گیا۔ وہ جیپ پورچ میں لے گئے۔ کافی کھلی حویلی تھی۔ سبزہ زیادہ تھا۔ وہ ان دونوں بھائیوں کے ساتھ چلتا ہوا حویلی کے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ اندر سے حویلی وہی ہندوانہ طور پر گولائی میں تھی۔ گول سیڑھیاں اوپر کو جا رہی تھیں۔ دالان اور برآمدے بنے ہوئے تھے۔ سامنے ہی صوفے پر سفید دھوتی کرتا پہنے' کاندھے پر سنہری چادر ڈالے خشخشی داڑھی اور بڑی مونچھوں والا جس کے سر کے بال بالکل صاف تھے' موٹے نقوش اور صحت مند جسم والا راؤ بچن سنگھ بیٹھا ہوا تھا' انہیں دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

''آؤ...... آؤ جسپال......! میں کب سے انتظار کر رہا ہوں' بھئی باتیں بعد میں' آؤ پہلے کھانا کھاتے ہیں ہاتھ منہ دھو کے آ جاؤ بھئی......''

بچن سنگھ نے بے تکلف سے انداز میں کہا تو جسپال کو قدرے سکون ملا۔ جو وہ سمجھ رہا تھا' ویسا نہیں تھا۔

اس وقت وہ کھانے کی میز سے اٹھ گئے تھے اور گپ شپ کے لیے سکون سے آ کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے تھے کہ جب باہر سے ایک ملازم نے ایک چٹ لا کر بچن سنگھ کو دی۔ اس نے چٹ پر نظر ڈالی ہی تھی کہ پریشان ہو گیا مگر یہ تاثر ایک لمحے کے لیے آیا' پھر غائب ہو گیا۔ اس نے ایک نگاہ جسپال پر ڈالی' پھر اپنے بڑے بیٹے وریام کی طرف دیکھ کر کہا۔

''جسپال اور رانا کو اندر کمرے میں لے جا اور جب تک میں نہ کہوں باہر نہیں آنا' ساری باتاں غور سے سُنی ہیں تا کہ تم لوگوں کو پتہ چل جائے......'' یہ کہہ کر اپنے ملازم سے آنے والے لوگوں کو اندر آنے کے لیے کہا۔ وہ لوگ فوراً ہی ساتھ والے عقبی کمرے میں چلے گئے' جہاں کی ہول سے وہ باہر کا منظر دکھ سکتے تھے' کچھ دیر بعد تین لوگ اندر آئے' ان میں دو ادھیڑ عمر اور ایک نوجوان تھا۔ تینوں نے گرے رنگ کے سفاری سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ وہ تینوں بچن سنگھ کے ساتھ بڑے تپاک سے ملے' انہیں بٹھایا اور بچن سنگھ نے پوچھا۔

''کیا لوگے آپ لوگ ٹھنڈا یا چائے؟''

''کچھ نہیں راؤ صاحب......! بس آپ جسپال کو ہمارے حوالے کر دیں' جو ابھی پنجاب سے بھاگ کر آپ کے پاس آیا ہے۔'' ان میں سے ایک ادھیڑ عمر بندے نے کہا۔

''آپ لوگ سی بی آئی سے ہو' میں نے مان لیا' لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ کوئی پنجاب سے بھاگ کر میرے پاس آیا ہے' آپ لوگ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' بچن سنگھ نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

''دیکھیں راؤ صاحب! وہ ایک جنونی قاتل ہے' آج صبح اس نے قتل کیا اور چنڈی گڑھ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے ایک جگہ کار چھوڑی اور دوسری جگہ سے کار چوری کی' اس طرح ان کے راستے کی نشاندہی ہو گئی۔ سیسر سے وہ جس گاڑی میں آئے ہیں وہ آپ کے پورچ میں کھڑی ہے' اب اس سے بڑا ثبوت ہم کیا دیں۔'' اس شخص نے جواب دیا۔

''دیکھ میرے بھائی! یہاں کوئی بھاگ کر نہیں آیا' آپ لوکاں کو غلط فہمی ہو گئی ہے' اس گاڑی میں تو میرے بچے او گاڑی کر کے آئے ہیں' سیسر ہی سے۔'' اس نے پھر نرم لہجے میں جواب دیا تو نوجوان نے تیزی سے کہا۔

''تو کیا پھر ہم حویلی کی تلاشی لے لیں۔''

''اوئے......! بات سن......'' بچن سنگھ ایک دم گرم ہو گیا۔'' آج تک کسی کی جرات نہیں ہوئی کہ میری حویلی کی تلاشی لے سکے' تیرے جیسے کئی سی بی آئی والے میری جیب میں ہیں۔ تو حکومت کا ملازم ہے تو ہم حکومت چلانے والے ہیں' کہہ دیا نہیں ہے' تو نہیں ہے۔''

''سوری راؤ صاحب! یہ بچہ ہے' اسے نہیں معلوم' معاف کر دیں اسے' اصل میں آپ کو شاید نہیں معلوم کہ وہ ہمارے تین بندوں کو قتل کر چکا ہے' اس کے علاوہ ایم ایل اے کے بیٹے کو......'' ادھیڑ عمر نے کہنا چاہا تو بچن سنگھ نے کہا۔

''دیکھ میرے بھائی......! میں بحث کا عادی نہیں ہوں۔ میں نے آپ لوگوں سے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ باقی میں چیف منسٹر سے بات کر لیتا ہوں۔''

''آپ بخوشی ان سے بات کریں' وہ بہت دباؤ میں ہیں۔ سنٹر گورنمنٹ کے وہ مسلسل رابطے میں ہیں۔ اگر آپ کا یہ خیال ہو گا کہ وہ یہاں سے نکل کر کہیں اور چلا جائے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ آپ تعاون کریں اور اسے ہمارے حوالے کر دیں۔''

''میں سوچوں گا کہ اپ سے کس قدر تعاون کیا جئے۔ ابھی فی الحال آپ جاؤ۔'' بچن سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے راؤ صاحب! ہم ابھی کچھ دیر بعد آپ سے ملتے ہیں۔'' وہ ادھیڑ عمر آدمی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تو باقی دونوں بھی اٹھ گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد بچن سنگھ اٹھا اور ان کے پاس آ گیا۔

''سن لیا جسپال' وہ اگر یہاں تک پہنچ گئے ہیں تو مطلب وہ بالکل درست تعاقب کر کے ٹھیک جگہ پہنچے ہیں۔''

''تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے پوچھا۔

''دیکھو......! مجھے وینکوور میں موجود میرے دوست نے کہا تو اس کا حکم سر آنکھوں پر' میں اپنے خون کے آخری قطرے تک تمہاری حفاظت کروں گا' لیکن......! جس قدر تیزی سے اور جس طرح کا ان کا لہجہ ہے، وہ بتا رہا تھا کہ اب تم جیسے ہی نکلو گے' وہ تمہیں قابو میں کر لیں گے۔ پھر کیا ہوگا' میں نہیں جانتا' لیکن اتنا جانتا ہوں کہ ابھی سی ایم کا فون آئے گا اور مجھے اس کے پاس جانا پڑے گا۔ زیادہ سے زیادہ میں شام تک اڑا رہوں گا۔'' بچن سنگھ نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''تو پھر میں نکلتا ہوں' جو ہوگا' وہ دیکھا جائے گا۔'' جسپال نے کسی خوف کے بغیر کہا۔

''یہ خودکشی ہوگی میرے بچے! اور جو میرے پاس ہو اور میں اس کی حفاظت نہ کروں' یہ تو ممکن نہیں' یہ یقین کر لو جسپال' یہاں رہتے ہوئے تم جدھر بھی جاؤ گے' یہ لوگ تجھے نکلنے نہیں دیں گے۔ چینل صبح سے تیری تصویر دکھا رہے ہیں۔ یہاں بھارت میں رہنے کی تیرے پاس گنجائش نہیں ہے۔ اس حقیقت کو تو سمجھ لے...... ہاں کسی کمرے میں بند رہ کر وقت گزار لے تو الگ بات ہے۔'' اس نے سمجھاتے ہوئے کہا تو جسپال نے سکون سے کہا۔

''تو پھر آپ بتائیں نا' میں کیا کروں......؟''

''تم ابھی یہاں سے نکلو گے...... پانچ بج چکے ہیں' لیکن اس سے پہلے تو جسمیندر سے بات کر لے۔ اوپر کمرے میں ہر چیز موجود ہے۔ وہ تمہیں بہترین مشورہ دے گا اور اسے صورتحال کی سمجھ بھی آ جائے گی۔''

''اوکے......!'' جسپال نے کہا تو وہ اسی کمرے سے باہر کی جانب اشارہ کر کے خود ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ وریام نے اوپر والے کمرے تک اس کی رہنمائی کی۔ کچھ دیر بعد اس کا رابطہ جسمیندر سے ہو گیا۔ وہ ساری صورت حال بتا چکا تو اس نے کہا۔

''تم پاکستان اور بھارت کی سرحد کے بے حد قریب ہو' اگر تھوڑی سی دشواری برداشت کر سکو تو سرحد پار کر جاؤ۔ اس کے لیے حوصلہ بھی چاہیے۔ ادھر ہمارے لوگ موجود ہیں' تجھے سنبھال لیں گے' پھر اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔''

''میں تیار ہوں۔'' جسپال نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''تو بس پھر ٹھیک ہے۔ تم تیار ہو جاؤ' ممکن ہے' میں بھی تم تک پہنچ جاؤں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں' بس حوصلہ رکھنا۔'' اس نے کہا۔

''اوکے...... ڈن!'' جسپال نے کہہ دیا پھر چند باتیں اور سمجھانے کے بعد ان کا رابطہ ختم ہو گیا۔ تب وریام نے اپنی ریسٹ واچ پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

''آؤ......چلیں یہاں سے نکلنے میں بھی کچھ وقت لگے گا۔''

وہ دونوں نیچے چلے گئے' بچن سنگھ ان کی انتظار میں تھا۔ جسپال نے اپنا فیصلہ اسے سنا دیا۔ تب اس نے سکون سے کہا۔

''میرا فیصلہ بھی یہی تھا مگر میں نے اس لیے نہیں کہا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں نے تم پر اپنا فیصلہ مسلط کر دیا۔ وریام ہے نا' سارے معاملے نپٹا دے گا۔ یہ حسرت ہی رہی کہ تم سے لمبی باتاں کرتے' آؤ مل لو۔'' یہ کہہ کر اس نے کھڑے ہو کر دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ وہ اس سے مل چکا تو وریام اسے لے کر ایک دوسرے کمرے میں چلا گیا' ایک الماری سے موٹے کپڑے کی شلوار قمیص نکالی' پھر ایک بڑی ساری چادر نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

''تو یہ پہن لو اور اپنے کپڑے مجھے دو۔''

''تم پہنو گے۔'' جسپال نے اس کے صحت مند جسم کی طرف دیکھ کر مزاقاً کہا تو وہ بولا۔

''ارے نہیں' یہ کپڑے ایک تیرے جیسے قد بت کے بندے کو پہنا کر اوپر چھت پر بھیج دوں گا جہاں سے یہ سی بی آئی والے دیکھتے رہیں کہ بندہ موجود ہے' ساتھ میں رانا ہوگا' ہرنام ہوگا' تو یہ کپڑے پہن' پھر میں بتاتا ہوں تیرے ساتھ کیا کرنا ہے۔''

جسپال نے جین شرٹ اتاری' وہ کپڑے پہنے' سر سے دستار اتاری اور وہ چادر لپیٹ لی' وریام کپڑے لے کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا اور اسے بھی ساتھ لے کر نیچے آیا' پھر اپنے چند ملازمین کے ساتھ لا کر کھڑا کر دیا۔

''ابھی یہ لوگ برتن اٹھائے باڑے میں جائیں گے' حویلی سے باہر' تو بھی ان کے ساتھ ادھر جا...... میں ادھر ملتا ہوں تم سے......''

وریام نے کہا اور تیزی سے پلٹ گیا۔ وہ سات آٹھ ملازمین تھے' جن کے ساتھ وہ بھی حویلی کے پچھلے دروازے سے نکل گیا۔ اس نے کن انکھیوں سے اردگرد دیکھا' دور ایک کونے پر سڑک کنارے چند لوگ ایک چھوٹی جیپ کے ساتھ کھڑے تھے۔ وہ سب چلتے ہوئے ان کے قریب سے باڑے میں چلے گئے۔ انہیں شک تک نہیں ہوا کہ ان میں جسپال بھی ہو سکتا ہے۔ وہاں سے جسپال نے دیکھا' چھت پر اس کے کپڑے پہنے کوئی تھا' رانا کا ہیولا بھی لگا اور ہرنام بھی اس کے ساتھ تھا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ وریام وہاں آ گیا۔ اس نے باڑے کے باہر ہی گاڑی کھڑی کر دی۔ کیونکہ اس سے کچھ فاصلے پر وہ مشکوک لوگ موجود تھے۔ وریام اسے لیتا ہوا ایک کمرے میں چلا گیا۔ جس کے دوسرے دروازے سے نکل کر وہ باہر آ گئے تو سامنے ویسی ہی ایک اور جیپ کھڑی تھی۔ وہ دونوں تیزی سے اس میں بیٹھے اور مشرق کی جانب چل پڑے۔ سورج مغرب کی آغوش میں ڈوب رہا تھا۔

وہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک چلتے چلے گئے۔ راستے میں ایسی گزرگاہیں بھی آئیں' جہاں بہت سست روی سے گزرنا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ایک گاؤں میں آن پہنچے' جس میں ایک طرف بہت بڑا تالاب تھا۔ اگرچہ ہر گاؤں میں مویشیوں کے لیے ایک تالاب ہوتا ہے لیکن وہ کچھ غیر معمولی تالاب تھا۔

''یہ سرحد کا آخری گاؤں ہے' یہاں سے فقط دو کلومیٹر کے فاصلے پر سرحد ہے۔'' وریام نے اسے بتایا۔

''وریام' میری معلومات کے مطابق تو پاکستان اور بھارت کی سرحد پر باڑ لگی ہوئی ہے' جس سے گزرنا بہت مشکل ہوگا' وہ کیسے......'' جسپال نے پوچھا۔

''اس لیے تو یہاں لایا ہوں' دیکھو...... !سرحد پر متعین فورس میں عورتیں بھی ہیں اور مرد بھی' سارے فرشتے نہیں ہیں۔ ان کی اپنی بڑی ضرورتیں ہیں۔ نہ ہوں تو ہم پیدا کر دیتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے' ہم نے کاروبار کرنا ہوتا ہے۔ یہاں سے کچھ لوگوں کے ساتھ ہماری ڈیل ہے۔ تم دیکھتے رہنا کہ ہوتا کیا ہے۔'' دریام نے کہا اور گاؤں کے ایک کچے لیکن بڑے سارے گھر کے سامنے گاڑی روک دی۔ اگلے ہی لمحے گھر سے دو لمبے تڑنگے مرد نکلے' وہ تپاک سے ملے اور انہیں لے کر چار پائیوں پر بٹھا دیا۔ شربت وغیرہ پینے کے بعد ان میں سے ایک نے جسپال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو یہ ہے وہ جوان......''

''ہاں یہی ہے' دیکھو اسے کوئی تجربہ نہیں ہی' اسے تو بس ادھر سے ادھر بھیجنا ہے' آگے وہ خود دیکھ لیں گے۔'' دریام نے کہا۔

''دیکھیں جی' راؤ صاحب کا حکم آیا ہے تو ہم نے اچانک تیاری کی ہے۔ دو بندے ساتھ ہوں گے' وہ ساتھ تو ہوں گے لیکن ذمے داری نہیں ہے' کیونکہ آگے ہماری بات نہیں ہوئی' اس صورتحال کا شکوہ نہیں دینا۔''

''نہیں ہوگا' اب بتاؤ جانا کب ہے۔''

''ابھی آٹھ بج رہے ہیں۔ دس بجے کے بعد بندہ آ کر بتائے گا' تب تک ڈیرے پر چلتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں' اور......'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا تو دریام ہنس دیا۔ پھر وہ پیدل ہی گاؤں سے باہر ڈیرے کی طرف چل دیئے۔

کچے کمروں کے سامنے کھلا سارا صحن تھا' جس میں سفید چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں۔ وہاں چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھی جا کر گدوں پر بیٹھ گئے۔ تبھی کچے کمرے میں سے دو نوجوان لڑکیاں برآمد ہوئیں' دونوں ہی گوری چٹی اور روایتی راجستھانی لباس پہنے ہوئے تھیں۔ گھاگھر اور چولی' کھلا گریبان' کمر برہنہ' پنڈلیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں' تبھی دو چار لوگ ایک طرف آ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے کپڑے تلے پڑا سی ڈی پیئر آن کر دیا۔ دھیمی دھیمی موسیقی شروع ہوگئی۔ ایک لڑکی دریام کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ تبھی لمبے آدمی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہی تھی اس دن والی...... ابھی دس منٹ پہلے پہنچی ہے یہ......''

''مار دیا اس ظالم نے تو اُس دن...... آج بھی کمال کر دینا ظالم......'' یہ کہتے ہوئے اس نے اس لڑکی کو بانہوں میں لے کر جھنجوڑ دیا۔ وہ کچھ دیر مچلتی رہی پھر دریام نے چھوڑا تو اٹھ کر ناچنے لگی۔ گانا شروع ہوتے ہی ان کے سامنے شراب بھرے پیتل کے گلاس لا کر رکھنے لگے' دریام نے ایک جام جسپال کے سامنے رکھا تو اس نے دھیرے سے کہا۔

''میں شراب نہیں پیتا۔''

''او ظالم! پھر جیتا کیسے ہے؟'' یہ کہہ کر وہ ہنس دیا۔

''بس نہیں پیتا' شروع سے عادت ہی نہیں بنی۔'' جسپال نے سکون سے کہا۔

''چل ٹھیک ہے' کوئی بات نہیں' تو دیکھ...... ان میں شراب سے بھی زیادہ نشہ ہے۔ پاگل کر دیا ہوا ہے اس نے......'' دریام شاید اس طوائف پر مر مٹا تھا' شراب کے جام پر جام چلتے رہے۔ بھنا ہوا گوشت ان کے سامنے آتا رہا۔ پندرہ بیس لوگ تھے۔ وہ سب کھاتے پیتے اور ناچ

دیکھتے رہے۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا چلا گیا۔

رات ٹھہر چکی تھی دونوں لڑکیاں خوب ناچ رہی تھیں۔ ایسے میں ایک نوجوان سائز کا ڈیرے کے احاطے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی وہ لمبا آدمی اٹھ گیا۔ اٹھتے ہوئے وریام کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔ جسپال کے ساتھ وہ بھی اٹھ گیا۔ وہ تینوں آگے پیچھے باہر نکلتے چلے گئے۔

''لو جی وریام جی' آپ نے موج مستی کرنی ہے تو ادھر رہو یا جانا ہے تو جاؤ' اب آگے ہمارا کام ہے۔'' اس لمبے آدمی نے ڈیرے سے باہر نکل کر کہا تو وریام نے جسپال کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''لے بھئی جسپال! رب کے حوالے..... واہگرو تم پر مہر کرے' بس تیری خدمت نہ کر سکا۔''

دونوں ایک دوسرے سے گرمجوشی سے ملے' پھر الگ ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا' لمبے آدمی نے جسپال کا ہاتھ پکڑا اور اندھیرے میں چل دیا۔ وریام واپس چلا گیا تھا اور وہ دونوں پیدل ہی چل پڑے۔ کافی آگے جانے کے بعد انہیں اونٹ بیٹھے ہوئی دکھائی دیئے۔

''یہ ہمارے سدھائے ہوئے اونٹ ہیں۔ یہ ہی سرحد پار کرائیں گے۔ یہ سیدھے اپنے ٹھکانے پر جائیں گے۔ انہیں اپنی مرضی سے نہیں ہانکنا۔ یہ جدھر لے جائیں' ادھر چلے جانا ہے اور دوسری بات تمہارے ساتھ ایک اور بندہ ہوگا۔ وہ اتنی سمجھ بوجھ والا بندہ نہیں ہے۔'' لمبے آدمی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' جسپال نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو لمبے آدمی نے قطبی ستارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

''یہ دیکھ' یہ تارا دیکھ رہا ہے' یہ تیرے دائیں کاندھے کی طرف رہے۔ بس' پھر تو صحیح سمت میں جائے گا' اسے مت بھولنا۔''

''ابھی کہہ رہے ہو کہ اونٹ.....'' جس پال نے سمجھنا چاہا۔

''اگر تجھے سمت سمجھنے کی ضرورت پڑے تو..... ورنہ یہ تجھے اونٹ ہی اپنے ٹھکانے پر لے جائیں گے' واہگرو کا نام لے اور بیٹھ اس پر.....''

لمبے آدمی نے ایک اونٹ کی طرف اشارہ کیا' جسپال نے پہلے کبھی بھی اونٹ کی سواری نہیں کی تھی۔ اس لیے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ وہ کوہان کے پیچھے مضبوطی سے بیٹھ گیا' تبھی لمبے آدمی نے ایک اونٹ کو اٹھایا تو باقی بھی اٹھنے لگے' جسپال ان اونٹوں کی درست تعداد نہ معلوم کر سکا۔ بس اندازہ تھا کہ چھ یا سات ہوں گے۔ اس کا اونٹ تیسرا یا چوتھا تھا۔ لمبے آدمی نے ایک اونٹ کی مہار پکڑی اور سب سے آگے پیدل چلنے لگا۔ تقریباً ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے وہ رک گیا۔ سامنے ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس سے دھیمی دھیمی باتیں ہوئیں تو پہلا اونٹ بٹھا دیا گیا۔ وہ بندہ اس پر سوار ہوا تو اونٹ کھڑا ہو گیا۔ اونٹ چل پڑے۔ سامنے لوہے کی اونچی اونچی باڑ دکھائی دینے لگی تھی' جو روشن تھی۔ اس پر بڑی بڑی سرچ لائٹس لگی ہوئی تھیں۔ اچانک وہ لائٹس بند ہو گئیں تو اونٹ تیزی سے چل پڑے۔ سامنے ایک بڑا سارا سیاہ دروازہ تھا' وہ یک لخت کھلا' سبھی اونٹ اس میں سے گزرتے چلے گئے۔ یہ سارا عمل تین یا چار منٹ کا رہا ہوگا۔ جب وہ چند کھیت آگے چلے گئے تو بتیاں پھر سے روشن ہو گئیں۔ اب اونٹ قطار میں نہیں تھے بلکہ پھیل گئے تھے۔ وہ آدمی جسپال کے قریب اپنا اونٹ لے آیا۔

''جوان' مضبوط بیٹھنا' اونٹ کو ریگستان کا جہاز کہتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگا دیا۔

''کیا اب ہم پاکستان میں ہیں؟'' جسپال نے پوچھا۔

''ابھی نہیں' چند کھیت اور پار کر لیں تو پھر...... یہ باڑ عین سرحد کے اوپر نہیں لگی.....'' اس نے جواب دیا۔

''یہ بتیاں کیوں بند کی گئی تھیں' جب ان سے بات.....'' جسپال نے پوچھنا چاہا تو وہ تیزی سے بولا۔

''رات کے اس وقت مردوں کی ڈیوٹی ہوتی ہے اور وہ بہت پھیل کر بیٹھتے ہیں۔ انہیں بھی چیک کرنے والے ہوتے ہیں۔ بس رسک نہیں لیا۔ بڑی چوکی پر لائٹ بند کی تھی۔ یہ چلتا ہے۔ تُو اب بھارت کو بھول جا۔ یہ آگے جہاں سے کھیت ختم ہو رہے ہیں' اس سے آگے ریگستان ہے۔ اس ریگستان سے پاکستان شروع ہو جائے گا۔''

''مطلب پھر ہم پرسکون ہو جائیں گے۔'' جسپال نے اطمینان سے کہا۔

''ارے نہیں' سکون تو ٹھکانے پر ہی آئے گا۔ آگے پاکستانی چوکیاں بھی تو ہیں۔ ان سے بھی بچنا ہے۔ بس تو سنبھل کے بیٹھ' جہاز اڑنے کو ہیں۔'' اس نے پھر سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ جیسے قہقہہ لگانا اس کی عادت ہے۔ جسپال خاموش ہو گیا۔ چند منٹ بعد اونٹ کی رفتار تیز ہونے لگی اور پھر وہ باقاعدہ بھاگنے لگے' جب وہ آہستہ چل رہے تھے تو ہچکولے کم تھے' لیکن جیسے ہی وہ تیز ہوئے تو جسپال کو لگا کہ جیسے سارا کھایا پیا باہر آ جائے گا۔ بہت شدید ہچکولے تھے۔ اس نے ایک بار سامنے کی طرف دیکھا' اونٹ پھیل کر یوں بھاگ رہے تھے جیسے ان کی ریس لگی ہوئی ہو۔ اس نے اپنا سر اونٹ کی کوہان کے ساتھ لگا دیا۔ وہ خود پر قابو پا رہا تھا۔

نجانے انہوں نے کتنا سفر کیا تھا۔ ایک دو یا چند کلو میٹر' تبھی بائیں جانب سے دور کہیں کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔ وہ دو گاڑیاں تھیں۔ اسے لگا کہ جیسے وہ تیزی سے قریب آ رہی ہیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ سب کیا ہے؟ وہ نوجوان پتہ نہیں کس اونٹ پر تھا۔ اونٹ بھاگتے چلے جا رہے تھے۔ وہ گاڑیوں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس سے یہ ہوا کہ اس کی ساری توجہ ان ہیڈ لائٹس کو دیکھنے اور سمجھنے کی طرف لگ گئیں۔ وہ کبھی دکھائی دیتیں اور کبھی ایک دم سے غائب ہو جاتیں۔ یہ آنکھ مچولی کافی دیر تک چلتی رہی۔ اچانک وہ گاڑیاں ان کے عقب میں آ گئیں' پھر اس کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا جس نے سناٹے کو چیر کر رکھ دیا۔ فائر کی آواز کیا گونجی تھی کہ اونٹ باؤلے ہو گئے۔ یکے بعد دیگرے تین فائر مزید ہوئے۔ جسپال کے لیے اونٹ پر بیٹھنا محال ہو گیا ہوا تھا۔ اسے لگا جیسے اس کے بدن کا ہر عضو الگ الگ ہو جائے گا۔ اسے اپنا سانس بند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے لگا جیسے ریڑھ کی ہڈی ابھی چکنا چور ہو جائے گی۔ وہ سمجھ گیا کہ عقب سے ہونے والے ہوائی فائر ہیں۔ وہ انہیں مارنا نہیں چاہتے بلکہ گھیر کر ان اونٹوں کو اپنے ٹھکانے پر لے جانے کی کوشش ہو سکتی ہے۔ اونٹ تیزی سے چلتا چلا جا رہا تھا کہ اچانک وہ لڑکھڑایا' جسپال اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا' وہ اونٹ سے یوں گرا جیسے کسی نے اسے دھکا دے دیا ہو' نیچے ریت ہونے کے باعث اسے کوئی چوٹ تو نہیں آئی' لیکن وہ آناً فاناً! بھاگتے ہوئے اونٹ کو نہ پکڑ سکا' چند لمحوں تک اس سے اٹھا ہی نہیں گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ اونٹ کو نہیں پکڑ سکتا تو وہ وہیں بیٹھ گیا۔ اسے اپنے حواس بحال کرنے میں کتنے ہی منٹ لگ گئے۔ جب اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہاں اونٹ تھے نہ کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس' صحرا کی گونجتی ہوئی مخصوص آواز تھی جو بلاشبہ دہشت پیدا کر رہی تھی۔ جسپال چند لمحے بیٹھا سوچتا رہا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ اچانک اسے قطبی ستارے کا خیال آیا۔ وہ اس کے بایاں کاندھے

پر تھا۔اس نے اپنی سمت متعین کی اور چل پڑا۔ یہاں بیٹھے رہنے سے زیادہ چلتے رہنا بہتر ہو سکتا تھا۔ یہاں پر بیٹھ کر اوٹ پٹانگ سوچنے کے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ وہ چلنے لگا۔ صحرا میں پیدل چلنا بھی کافی حد تک دشوار ہوتا ہے۔ ناہموار زمین پر وہ محتاط انداز میں چلتا چلا جا رہا تھا۔ اسے لگا جیسے صدیوں سے اسی طرح صحرا میں سفر کر رہا ہے۔ نجانے وہ کتنی دیر تک چلتا رہا تھا۔اس کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔ پیاس سے زبان سوکھ گئی تھی۔ اسے فقط اتنا یاد تھا کہ عقب میں آسمان پر روشنی کی لکیر دیکھی تھی' پھر اسے ہوش نہیں رہا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر ریت پر گر گیا۔

☆ ☆ ☆

میں یہ محسوس تو کر رہا تھا کہ میں ہوں لیکن احساس یہی تھا کہ میرا وزن نہیں اور میں ہوا میں کسی خشک پتے کی مانند اڑ رہا ہوں۔ شاید بندے کا ناطہ جب زمین سے ختم ہوتا ہے اور وہ عالم برزخ کی جانب سفر کرتا ہے تو یہی کیفیت رہی ہوگی۔ میں خود کو دیکھ رہا تھا لیکن آنکھ جھپکنے کی قوت تک مجھ میں نہیں تھی۔ یہی بے وزنی کثافت سے لطافت تک کے سفر میں اپنا احساس دلاتی ہے۔ میں خود پر غور کر رہا تھا کہ میں کہاں پر ہوں؟ برزخ یہیں کہیں زمین پر ہے یا آسمان کی وسعتوں میں ہے۔ یا پھر یہ کسی نئی دنیا کا نام ہے۔ یہ ایک ایسا جہان ہے جو دنیا سے ہٹ کر ہے۔ میں لمحہ بہ لمحہ اپنے حواسوں میں آ رہا تھا۔ مجھے اردگرد کی آوازیں تو سنائی دے رہی تھیں مگر میں ان کی طرف دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ میں نے ہمت کی اور اردگرد دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ بھی نہ ہو سکا۔ پھر میں نے ساری کوششیں ترک کر دیں۔ کچھ دیر یونہی پڑا رہنے کے بعد مجھے آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میرے اردگرد چند لوگ کھڑے تھے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ بھی مقامی تھے۔ ایک بندے نے مجھے اٹھایا تو پتہ چلا کہ میں چارپائی پر لیٹا ہوا ہوں۔ میرے سر کے اوپر درختوں کا سایہ ہے۔ میں حواسوں میں آتا چلا جا رہا تھا۔ مجھے گھونٹ گھونٹ پانی دیا جا رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ میرے حواس میرے قابو میں آتے چلے گئے۔ میں خود کو بہتر محسوس کرنے لگا۔ تبھی میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''میں کہاں ہوں؟''

''تم لالا بھوہڑ کے ٹوبے پر ہو۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' ان میں سے کسی نے کہا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر باریش آدمی تھا۔ میں نے اپنی حالت کا جائزہ لیا اور بتایا۔

''اس وقت میں بہت اچھا محسوس کر رہا ہوں۔ یہ لالہ بھوہڑ کا ٹوبہ کہاں ہے؟'' لاشعوری طور پر میرے لبوں سے یہ سوال نکل گیا۔ اس کے ساتھ دو تین دوسرے آدمی بھی تھے۔ انہی میں سے ایک نے کہا۔

''تم کچھ دیر آرام کرو' کچھ کھا پی کر اپنے حواس قابو میں کرو' پھر باتیں ہوتی رہیں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''آؤ اٹھو' نہالو' تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔'' انہی میں سے ایک نے کہا تو میں نے اردگرد دیکھا' دن اچھا خاصا چڑھ آیا تھا۔ روشنی تیز تھی۔ میں نے ہمت کی اور اٹھ گیا۔ وہ مجھے قریب ہی ایک تالاب پر لے گئے جہاں میں نے کپڑا باندھا اور خوب نہایا۔ انہوں نے مجھے ایک صاف دھوتی اور کرتا دے دیا۔ جسے پہن کر میں پرسکون ہو گیا۔ میں ان کے ساتھ پلٹ کر واپس آیا تو ایک اونٹ کے گرد کافی سارے لوگ اکٹھے تھے اور کسی

بندے کو اس پر سے اتارا جا رہا تھا۔ جب اسے اونٹ سے اتار کر چار پائی پر ڈالا گیا تو میں نے غور سے دیکھا' اس نے شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی لیکن اپنی وضع قطع اور سر کے بالوں سے سکھ معلوم ہو رہا تھا۔ یہی رائے ان سب کی تھی۔ وہی ادھیڑ عمر بندہ اسے ہوش میں لانے لگا۔ جبکہ وہیں موجود دوسرے لوگ میری طرح غور سے دیکھتے چلے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اسے ہوش آ گیا۔ تھوڑا تھوڑا پانی پلانے میں اور اس کے حواس بحال ہونے میں کچھ وقت لگ گیا۔ وہ ریت میں اٹا پڑا تھا' شکل اور نقوش سے' اس کے کپڑے میل نہیں کھا رہے تھے۔ بالکل میری طرح اس نے پہلا سوال ہی یہی کیا تھا کہ میں کہاں ہوں؟ اسے مطمئن کرنے کے بعد اسے پوری طرح حواسوں میں لایا گیا' اور میری طرح ہی اسے نہانے کے لیے تالاب پر لے جایا گیا۔ اگرچہ مجھے بھوک شدت سے ستا رہی تھی لیکن میں بے حال نہیں تھا۔ میں چار پائی پر دوبارہ لیٹا تو مجھے نیند آ گئی۔ پھر میری آنکھ اس وقت کھلی جب کسی نے پیر کا انگوٹھا پکڑ کر مجھے جگایا۔ کچھ لوگ میرے لیے کھانا لیے کھڑے تھے۔ قریب ہی دوسری چار پائی پر اپنے بال کھولے سکھ بھی بیٹھا ہوا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ہمارے سامنے کھانا رکھ دیا گیا' ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے' لیکن ساتھ میں کھانا کھا رہے تھے۔ خوب سیر ہو کر کھانا کھا چکے تو برتن ایک تیسری چار پائی پر رکھ کر لیٹ گئے۔ مجھے اس سکھ کا نہیں معلوم بہرحال مجھے نیند آ گئی' اور میں سو گیا۔

میری آنکھ کھلی تو شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں سورج غروب ہو جانے کو تھا۔ تیسری چار پائی پر ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے بیدار ہوتا دیکھ کر اس نے کافی حد تک مقامی زبان اور لہجے میں کہا۔

''چلو اٹھو' میرے ساتھ چلو۔''

''کہاں؟'' میں نے پوچھا۔

''جہاں میں لے جاؤں۔'' اس نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ اسی طرح اس نے سکھ کو بھی اشارہ کیا' جس نے اپنے بال باندھ لیے تھے اور اس پر چادر لپیٹی ہوئی تھی۔ وہ نوجوان ہمارے آگے آگے جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے چلتے چلے جا رہے تھے۔ ہم صحرا میں ریت کے ٹیلوں کے درمیان چلتے ہوئے ایک ایسی جگہ پر آ گئے جہاں کافی اونچی جگہ پر گوپا (مقامی جھونپڑی) بنا ہوا تھا۔ ڈھلوان کے آخر میں ایک کچا تھڑا تھا' جس پر خس کی صفیں بچھی ہوئی تھیں۔ کافی سارے بڑے میدان کے ساتھ ایک طرف درختوں کا جھنڈ تھا۔ اس کے ساتھ ایک کنواں تھا' جس کے اردگرد دو بیل جتے ہوئے پانی نکال رہے تھے۔ وہ پانی کھال کی صورت میں نجانے کس طرف جا رہا تھا۔ ہمیں اس کھلے میدان میں لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ اردگرد کوئی بندہ نہیں تھا۔ بس وہی نوجوان تھا جو ایک طرف ہٹ کر کھڑا تھا اور گوپے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ گوپے میں سے ایک ادھیڑ عمر اسمارٹ جسم کا' درمیانہ قد' چھوٹی چھوٹی سفید داڑھی' لمبے بال جو شانوں تک پڑے تھے' اس نے باریک کرتا پہن رکھا تھا جو سفید براق تھا۔ اسی طرح گہرے نیلے رنگ کی دھوتی' پاؤں میں کھسہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ تیکھا ناک' پتلے پتلے ہونٹ' جن پر بھاری مونچھیں' بہت رعب دار لگ رہی تھیں۔ وہ ہماری طرف گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' پھر جیسے اس کھردرے ماحول میں نرم اور خوشگوار ہوا کا جھونکا در آیا ہو۔ اس کی پشت پر ایک کامنی سی لڑکی دکھائی دی۔ گول چہرہ' سیاہ بال' جو بوائے کٹ میں تھے۔ پتلی سی جسامت والی' درمیانے قد کی اس نے سفید شلوار قمیص جس پر سفید اورنج اور پیلے پھول بنے ہوئے تھے پہنی ہوئی تھی' پاؤں میں سیاہ سینڈل تھے۔ وہ بھی گہری

نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس تیکھے نقوش والی لڑکی کا وہاں ہونا' عجیب سا تاثر پیدا کر رہا تھا۔ اس وقت مجھے شدت سے احساس ہوا کہ کھردرے اور پھیکے ماحول میں جب عورت آ جاتی ہے تو ماحول نرم اور رنگین ہو جاتا ہے۔ وہ دونوں ہماری طرف چند لمحے دیکھتے رہے' پھر ہمیں وہیں رکنے کا اشارہ کر کے واپس پلٹ گئے۔ اگلے ہی لمحے گوپے میں سے دو نوجوان نکلے۔ وہ گوپے ہی کے سائے میں چار پائیاں بچھانے لگے اور ہمیں وہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم دونوں بیٹھ گئے۔ تبھی ہمارے سامنے جدید مشروبات کے ٹن پیک لائے گئے۔ ہم وہ پی رہے تھے کہ وہ دونوں وہیں اس چار پائی کی سامنے والی چار پائی پر آن بیٹھے' جہاں ہم دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔

''میرا نام مہر خدا بخش خان ہے' عرصہ دراز سے یہاں رہتا ہوں' یہ ساری زمینیں اور باڑے میرے ہیں۔ یہ لڑکی یہاں کام کرتی ہے۔ تانی نام ہے اس کا۔'' وہ تعارف کرا کر خاموش ہو گیا تو پہلے میں نے اپنا تعارف کرایا۔ میرے بعد وہ سکھ بولا۔

''میرا نام جسپال سنگھ ہے' میں اصل میں وینکوور کا رہنے والا ہوں۔ پچھلے چند ہفتوں سے بھارت میں تھا۔ رات سرحد پار کروائی گئی ہے مجھے اب مجھے نہیں پتہ کہ میں کہاں ہوں۔''

''تم جمال مسلمان ہو' اور یہ جسپال سکھ ہے۔ یہ اتفاق ہی ہے کہ تم دونوں ایک ہی رات دو مختلف سمتوں سے ملے ہو۔ بے ہوش' ظاہر ہے تم دونوں میں سکت نہیں رہی ہو گی صحرا کا مقابلہ کرنے کی' یہاں بڑے بڑے لوگ ہار جاتے ہیں۔ یہ تو اچھا ہوا کہ تم دونوں چاہے مخالف سمتوں ہی میں سہی لیکن میرے علاقے میں سے پائے گئے ہو۔ یہ تو پکی بات ہے کہ تم دونوں ہی کو کوئی مجبوری ہی اس ویرانے میں لائی ہے' اور یہ بھی سچ ہے کہ تم دونوں کوئی شریف اور معصوم بندے نہیں ہو۔''

''آپ کی ساری باتیں سچ ہیں۔'' میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا تو وہ جسپال کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اور تم جسپال۔''

''ایسا ہی ہے' لیکن میں اپنے بارے میں اتنا بتا دوں کہ میں جرائم پیشہ نہیں ہوں۔''

''میں نہیں جانتا کہ تم دونوں جرائم پیشہ ہو یا نہیں' لیکن تم دونوں کے پاس سے جدید پسٹل برآمد ہونا' اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ مار دھاڑ' قتل وغیرہ تم دونوں کے کریڈٹ پر ضرور ہو گا۔'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا' پھر ہماری طرف سے کوئی جواب سنے بغیر بولا۔

''آرام کر لیا' کھانا کھا لیا' جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو۔''

''ہمیں تو اندازہ ہی نہیں کہ ہم کہاں پر ہیں' پھر کیسے کس طرح.....'' جسپال نے تشویش سے کہا۔

''لڑکے.....! میں اس کا جوابدہ نہیں ہوں اور نہ ہی یہ بتا سکتا ہوں کہ تم اس وقت کہاں ہو' یہ میری مجبوری ہے' میں تم لوگوں کو کہیں چھوڑ بھی نہیں سکتا۔'' اس نے سختی اور روکھے پن سے کہا۔

''ہمیں تو سمت کا اندازہ نہیں کہ ہم کس طرف جائیں گے۔ پلیز آپ ہمیں کسی قریب ترین شہر کے پاس پہنچانے کا بندوبست کر دیں پھر ہم جانیں اور ہماری قسمت۔'' جسپال نے کافی حد تک نرم اور منت بھرے انداز میں کہا۔

''دیکھو جسپال! میں نے تم لوگوں کو پیغام نہیں بھیجا تھا کہ تم یہاں آؤ' خود آئے ہو تو خود ہی چلے جاؤ' اور پھر میں تمہاری مدد کیوں کروں......؟''اس نے منطقی انداز میں کہا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟ دولت......وہ میں......''

''نہیں' مجھے دولت نہیں چاہیے۔ میری تین شرطیں ہیں' ان میں سے کوئی ایک پوری کر دو' تو میں شہر کے قریب پہنچا دوں گا۔ جو تم میں پہلے شرط پوری کرے گا' اسے پہلے......''

''کیا ہیں وہ شرطیں۔''میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا تو مہر خدا بخش نے میری جانب غور سے دیکھا اور پھر بولا۔

''میرے ساتھ پنجہ آزمائی کرنا ہوگی' مجھے ہرا دو تو میں تمہاری بات مان لوں گا۔''

''دوسری شرط۔''جسپال نے تیزی سے پوچھا۔

''یہ ہے کہ اس لڑکی تانی کے ساتھ جو فائٹ کر کے اسے زخمی کر دے گا' اس کی بات مانی جائے گی۔''اس نے یوں کہا جیسے وہ ہمارا مذاق اڑا رہا ہو۔

''اور تیسری شرط؟''میں نے پوچھا۔ اتنے میں ایک سال بھر کا بچھڑا' ایک طرف سے بھاگتا ہوا دوسری طرف نکل گیا' مہر خدا بخش کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ بولا۔

''وہ بچھڑا دیکھا ہے' مجھے بڑا پیارا ہے' جو اسے گرا کر اس کی گردن پر چھری پھیر دے گا' میں اس کی بات مان لوں گا۔''یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوا' پھر بولا۔''لیکن یہ یاد رکھنا' ان تینوں میں سے کوئی ایک شرط مان لینے کے بعد اگر ہار گئے تو پھر میری بات ماننا ہوگی۔ میں پھر جب تک چاہوں تم لوگوں کو یہاں رکھوں' جانا ہے تو ابھی چلے جاؤ' ورنہ میں پھر بھاگنے نہیں دوں گا۔''

نجانے کیوں مجھے مہر خدا بخش کی باتیں اوپری لگ رہی تھیں۔ مگر ان باتوں میں دم تھا' ایسا چیلنج جس میں ہمیں اس طرح للکارا گیا تھا کہ وہ ہمیں بے بس ثابت کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا' پھر انتظار کرنے لگا کہ جسپال کیا کہتا ہے۔ وہ بھی خاموش تھا۔ جس طرح وہ تانی اب تک خاموش تھی۔ اس نے ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہیں نکالا تھا' مگر اس کے حسن کے جلوے ماحول کو خوشگوار بنائے ہوئے تھے۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو جسپال نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے جواب دینے کو کہا۔ تب میں نے بہت نرم لہجے میں کہا۔

''جہاں تک آپ کی پہلی شرط ہے' آپ ہمارے لیے ایک بزرگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارا بنتا ہی نہیں کہ آپ کے مقابلے پر اتریں۔ ہمارے بڑوں نے ہمیشہ بزرگوں کو عزت دینے کا ہی سبق دیا ہے۔ لہٰذا میں ایسا نہیں کر سکتا اور میرا خیال ہے جسپال بھی نہیں۔''میرے یوں کہنے پر جسپال نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''تو پھر......؟''مہر خدا بخش نے ہنکارے کے سے انداز میں پوچھا۔

''تانی ایک لڑکی ہے' ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا بلا ہے' یا محض ایک کمزور لڑکی' ہم عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتے' اس لیے تانی کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہے ہی نہیں۔''میں نے صاف لفظوں میں کہا تو مہر خدا بخش نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''تو پھر بچھڑے کو گرا کر اس کی گردن پر چھری پھیر دو' جاؤ میں تم دونوں کو یہ مہلت بھی دے دیتا ہوں کہ جتنے دن چاہے لے لو اور جتنی بار مرضی کوشش کرلو جس دن بچھڑے کی گردن پر چھری پھیر لو اس دن جہاں کھو گئے وہاں پہنچا دوں گا۔ جاؤ کرو کوشش۔'' اس نے کہا تو تانی نے ایک چھری نکال کر میری جانب بڑھا دی۔ اس چھری کا پھل بڑا اور چمکدار تھا۔ ان دونوں میں اتنا بڑا اعتماد دیکھ کر میں واقعتاً حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر تانی کے ہاتھ سے چھری لینا چاہی تو اس نے میرے پکڑنے سے پہلے ہی چھری چھوڑ دی۔ میں نے لاشعوری طور پر چشم زدن میں چھری کو زمین پر گرنے سے پہلے ہی قابو کرلیا۔ جیسے ہی وہ چھری میرے ہاتھ میں آئی، اسی لمحے میں سمجھ گیا کہ دراصل وہ ہمارا امتحان لے رہے ہیں۔ میں تانی کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تو اس کی بھی آنکھیں مبہن سا ہنس دیں۔ بچھڑا مجھ سے کافی دور کھڑا تھا، اس کی گردن میں رسہ نہیں تھا۔ وہ کھلا ہی چھوڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تو وہ خاصا پلا ہوا تھا۔ مجھے نہیں اندازہ تھا کہ میں اسے قابو کر بھی پاؤں گا یا نہیں' لیکن یہ حوصلہ ضرور تھا کہ بچپن سے لے کر اب تک مویشیوں اور ڈھور ڈنگروں کے ساتھ بہت وقت گزارا تھا۔ طرح طرح کے جانور ہاتھ سے نکلے تھے۔ میں تیز تیز قدموں کے ساتھ اس بچھڑے کے قریب جا پہنچا۔ شاید اسے بھی احساس ہو گیا تھا کہ میں اس کے لیے آیا ہوں' وہ میری طرف دیکھنے لگا' پھر جیسے الرٹ ہو گیا۔ میں اور وہ آمنے سامنے ہو گئے۔ اس کے تھوڑے تھوڑے سینگ نکل آئے تھے۔ وہ اگر میرے سینگ مار دیتا تو میرے بدن میں دو سوراخ ہو جاتے۔ میرے ایک ہاتھ میں چھری تھی۔ جو سے گرانے میں مشکل پیدا کر رہی تھی۔ میں نے چھری کو دانتوں سے پکڑا اور ایک دم سے بچھڑے پر چھلانگ لگا دی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں بچھڑے پر سوار ہو کر اس کی ایک ٹانگ اوپر اٹھاؤں گا لیکن میرا خیال محض خیال ہی رہا' اس نے اپنے منہ کے تھپیڑے سے مجھے ہوا میں اچھال دیا۔ میں کم از کم دس فٹ تک اچھلا ہوں گا۔ اس دوران چھری میرے دانتوں میں سے نکل گئی اور میں دھپ سے زمین پر آ گرا۔ مجھے یوں لگا جیسے میری ساری ہڈیاں ٹوٹ گئیں ہوں۔ میرا سر ایک دم سے چکرا گیا اور مجھے یوں لگا جیسے میں ابھی بے ہوش ہو جاؤں گا۔ مجھے اپنی بے عزتی کا اتنا زیادہ دکھ نہیں تھا جتنا ہار جانے کے بعد وہاں سے نکل نہ سکنے کا دکھ تھا۔ میں زمین پر پڑا رہا۔ تبھی تانی میرے قریب آئی' اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا' میں نے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تو اس نے سہارا دے کر مجھے اٹھا لیا۔ میں چند قدم اس کے سہارے چلا پھر خود ہی قدم بھرتا ہوا چارپائی پر آ گرا۔

''جاؤ جسپال......!'' مہر خدا بخش نے کہا۔

''میرا ہڈیاں تڑوانے کا ابھی موڈ نہیں ہے۔'' اس نے صاف انداز میں کہہ دیا۔

''جمال تو گیا اور......'' مہر خدا بخش نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں جانوروں کے ساتھ کیوں ٹکراؤں۔'' جسپال نے کاندھے اچکا کر کہا۔

''انسان جانوروں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ سانپ کے زہر کا تو پھر بھی علاج ہے' لیکن انسانی زہر سے بچنا بہت مشکل ہے۔ یہ اتنا سریع الاثر ہوتا ہے کہ کئی نسلوں تک زہر کا اثر نہیں جاتا پھر جاؤ' جا کر انہی درختوں کے پاس جا کر آرام کرو' کل بات ہو گی تم لوگوں سے۔'' یہ کہہ کر وہ ایک دم سے اٹھا اور واپس گوپے کی جانب بڑھ گیا۔ میں حسرت سے ان دونوں کو جاتے دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

میری ساری رات اذیت میں گزری تھی۔ بچھڑے کی ٹکر سے زمین پر گرنے کی وجہ سے دائیں پسلی اور ران تک یوں تکلیف ہو رہی تھی جیسے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ رات گئے تک جسپال میرے ساتھ لفظوں کی حد تک ہمدردی کرتا رہا۔ وہ بے چارہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ کوئی دوا نہیں تھی جس سے کسی حد تک سکون مل جاتا۔ میں نے اسے سو جانے کے لیے کہہ دیا اور خود ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ صبح کا سورج طلوع ہوا تو مجھ پر غنودگی طاری تھی۔ ہم ساری رات درختوں کے جھنڈ کے پاس میدان میں چارپائیوں پر پڑے رہے تھے۔ مجھے نہیں یاد کہ کوئی ذی روح ہمارے اردگرد بھی پھٹکا ہوگا۔ ہم دونوں ہی تھے اور اگر چاہتے تو وہاں سے کسی سمت بھی نکل سکتے تھے۔ مگر جس اعتماد سے مہر خدا بخش نے کہا تھا کہ اگر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ' میری اجازت کے بغیر نہیں جا سکتے تو اس میں ضرور کوئی راز ہوگا۔ رات بھر میں اس کے سیٹ اپ پر غور کرتا رہا تھا۔ سب کچھ عام سا تھا لیکن تانی کا وجود سارے ماحول کو منفرد بنا رہا تھا۔ اس کا قاتل انداز اور اہمیت سے اس کا وجود ماورائی سا لگ رہا تھا۔ یا تو وہ اس ماحول میں مس فٹ تھی یا پھر وہ بہت کچھ تھی۔ اس کا حسن، اس پر سادگی، اور پھر اس سے فائٹ کرنے والی بات، یہ سب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ لوگ بھی اتنے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ کل ہی چند لوگ دیکھے تھے' پھر وہ بھی دکھائی نہیں دیئے۔ یہ کیسی پراسراریت تھی؟ کیا مجھے اسے سمجھنا چاہیے یا پھر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا چاہیے؟ اصل میں میری مجبوری یہی تھی کہ نہ تو مجھے یہ معلوم تھا کہ میں کہاں ہوں اور نہ یہ پتہ تھا کہ جانا کس طرف ہے۔ صحرا کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے کی بجائے' یہیں پڑا رہنا بہتر تھا۔ مجھے کسی نہ کسی طرح مہر خدا بخش کی خوشنودی حاصل کرنا تھی۔ میں نے ان شرائط پر بھی بہت سوچا تھا' اگر وہ ہم پر مہربان ہوتا تو ایسا سب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمیں وہ کسی ٹھکانے پر پہنچا دیتا۔ کیا وہ ہمیں یہاں پر روکنا چاہتا ہے؟ اور اگر روکنا ہی چاہتا ہے تو کیوں؟ ایک تو الجھن اور دوسرا تکلیف کے باعث میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ میں اپنی غنودگی سے اس وقت نکلا جب ایک نوجوان ہمارے لیے کھانا لے کر آیا۔ جسپال نے چارپائی پر ہی میرا منہ ہاتھ دھلوایا اور پھر میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ وہ نوجوان خامشی سے بیٹھا رہا۔ جب برتن خالی ہو گئے تو وہ انہیں اٹھا کر لے گیا۔

''جمال یار' کہاں آ پھنسے ہیں۔'' جسپال نے دوسری چارپائی پر لیٹتے ہوئے کہا۔

''یہاں کم از کم یہ ڈر تو نہیں ہے کہ کوئی آ کر ہمیں گرفتار کر لے گا' پڑے ہیں' جب تک مہر خدا بخش چاہتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''کب تک.....'' اس نے اکتائے ہوئے کہا' میں ہنستے ہوئے بولا۔

''اب ملاقات ہوئی تو اس سے پوچھ لینا۔ یا پھر باقی شرطوں میں سے ایک چن لو۔''

''یہ بندہ عجیب سا لگا ہے مجھے' قنوطی سا' پاگل سا۔'' اس نے اپنے طور پر تبصرہ کیا۔

''مگر میرا ایسا خیال نہیں ہے۔'' میں نے اپنے طور پر رائے دی۔

''کیوں؟'' اس نے پوچھا تو میں نے عام سے لہجے میں کہا۔

''بس میرا خیال ہے۔''

لفظ ابھی میرے منہ ہی میں تھے کہ دو تین آدمی ہمیں اپنی طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے ساتھ تانی بھی تھی۔ اس بار وہ کاسنی

رنگ کے شلوار قمیص میں تھی‘ جس پر سیاہ پھول بنے ہوئے تھے۔ میں نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تو درد نے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ شاید میرے چہرے کے زاویے بگڑے ہوں گے کہ تانی نے انتہائی طنزیہ انداز میں کہا۔

”مرد بنو مرد...... ایک بچھڑے کی ٹکر سے تم چارپائی پر لگ گئے ہو۔“

”کاش میں لوہے کا بنا ہوا ہوتا۔“ میں نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ تبھی ایک ادھیڑ عمر مرد نے درد کے بارے میں پوچھ کر میرے جسم پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ درد والی جگہوں پر اچھی طرح ٹٹول لینے کے بعد وہ سیدھا ہو کر بولا۔

”کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی‘ لیکن پٹھوں کو اچھا خاصا دباؤ ہے‘ ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا اور اگر میری دی ہوئی دوا پی لو گے تو آج شام تک بھلے چنگے ہو جاؤ گے۔“

”اگر پی لو گے کا کیا مطلب‘ اسے دیں یہ پئے...... “ تانی نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔ اگرچہ بات تھوڑی سخت تھی لیکن لہجہ بڑا نرم تھا۔ اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کے جذبات کا اظہار نہیں تھا۔ وہ اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ میں نے کچھ بھی نہیں کہا تھا‘ اس طبیب نے اپنی پوٹلی میں سے کئی ساری شیشیاں نکالیں‘ ان میں سے ایک منتخب کی اور اس میں سے ذرا سا سفوف نکال کر میری ہتھیلی پر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی پانی کا پیالہ میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے بھی پھانک کر پانی پی لیا۔

”اب آرام کرو‘ میں شام کے وقت تمہیں پھر دیکھنے آؤں گا۔“ طبیب نے کہا اور واپس چلا گیا۔ اس کے ساتھ باقی بندے بھی چلے گئے۔ تانی کچھ دیر تک ہمیں کھڑی گھورتی رہی پھر وہ بھی پلٹ کر چل دی۔ ایک لمحے کے لیے تو یوں لگا جیسے کھلے صحرا میں کوئی ہرنی قلانچیں بھرتی ہوئی پھر رہی ہے۔

”یار اور کچھ ہو نہ ہو‘ یہ ہمیں مار دے گی۔“ جسپال نے یوں کہا جیسے وہ اس پر سو جان سے فریفتہ ہو گیا ہو۔

”اسے چھیڑنا بھی مت‘ مہر خدا بخش کی منہ چڑھی لگتی ہے۔“ میں نے چارپائی پر لیٹتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔

”جمال...... ! یہ سب ان کا مجھے ڈراوا لگتا ہے‘ کچھ بھی نہیں ہے‘ تو شام تک اگر ٹھیک ہو جاتا ہے تو پھر نکلتے ہیں یہاں سے۔“ جسپال نے اکتاہٹ بھرے انداز میں کہا۔

”لیکن مجھے نہیں لگتا کہ ہم ان کی مرضی کے بغیر یہاں سے نکل پائیں گے۔“ میں نے اسے سمجھایا۔

”اگر ایسی بات ہے تو میں ابھی اور اسی وقت نکلتا ہوں‘ پتہ چل جائے گا۔“ اس نے بڑے دعوے سے کہا۔

”ٹھیک ہے جاؤ‘ لیکن پھر بعد میں ان کی کسی ہمدردی کی توقع نہ رکھنا۔ میں جانتا ہوں‘ ان صحرائی لوگوں کو‘ جی بھر کے مہمان نواز ہوتے ہیں لیکن اگر دشمنی پر اتر آئیں پھر...... “ میں نے کہنا چاہا مگر جسپال نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”تم بتاؤ‘ پھر کیا کریں؟“

”ایک دو دن آرام کرو‘ مہر خدا بخش کا رد عمل دیکھو‘ وہ ہمیں ہماری مرضی کے بغیر تو یہاں نہیں رکھ سکتا۔ میرے خیال میں وہ ہمارے بارے میں تصدیق کرنا چاہ رہا ہوگا کہ ہم کیسے بندے ہیں۔ وہ جو پسٹل ہم دونوں سے نکلے ہیں‘ اسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے‘ اور میں یہ بھی بتا دوں‘ معصوم ہم

دونوں ہی نہیں ہیں۔‘‘

’’ایسا تو ہے یار‘مگر یہاں سے نکلنا......؟‘‘

’’نکل جائیں گے یار‘بس صبر کرو۔‘‘ میں نے کہا ہی تھا کہ دور گوپے کی طرف سے مہر خدا بخش کے ساتھ تانی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے پیچھے ایک نوجوان بھی تھا‘ جس کے ہاتھوں میں فلاسک ٹائپ چیزیں پکڑی ہوئی تھیں۔ وہ لمحہ بہ لمحہ ہمارے قریب آتے چلے گئے اور پھر ہمارے پاس آ گئے۔ میں اٹھ کر بیٹھنا چاہ رہا تھا کہ اس نے کہا۔

’’لیٹے رہو‘تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔‘‘ یہ کہتے ہوئے وہ سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گیا لیکن میں پھر بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔اتنی دیر میں درختوں میں سے دو نوجوان نکلے انہوں نے ہاتھوں میں سرہانے اور گاؤ تکیے پکڑے ہوئے تھے اس کے علاوہ دیگر کپڑے‘ وہ انہوں نے آناً فاناً بچھا دیئے۔ مجھے لگا مہر خدا بخش وہاں پر ڈیرہ ڈالنا چاہ رہا تھا یا کم از کم وہ ہمارے ساتھ وقت گزارنا چاہتا تھا‘ ایک طرف تانی آن بیٹھی‘ تبھی مہر خدا بخش نے کہا۔

’’کون لوگ ہو تم......مگر یاد رکھنا‘ میں صرف سچ سننا چاہتا ہوں۔‘‘

’’میں بتاتا ہوں۔‘‘ میں نے کہا پھر مہر خدا بخش کی طرف دیکھ کر بولا۔’’کیا آپ میری طویل بات سن لیں گے۔‘‘

’’تم جو کہنا چاہتے ہو اور جب تک کہنا چاہتے ہو کہو‘ میں سنوں گا۔‘‘ اس نے کہا تو میں نے اپنی طرف سے اختصار کے ساتھ اپنے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی‘ وہیں کھانا چن دیا گیا۔انہوں نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھایا‘ خوب سیر ہو چکے تو مہر خدا بخش نے کہا۔

’’جمال نے تو اپنی کہانی سنا دی‘ جسپال اب تم کہو۔‘‘

جسپال نے اپنے بارے میں تفصیل سے بتا دیا۔ بھارت آنے سے لے کر یہاں صحرا میں پہنچنے تک ساری روداد بیان کر دی۔ یہاں تک کہ سہ پہر ہوگئی۔ ساری بات سن کر وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

’’یہ اچھی بات ہے کہ تم دونوں نے سچ بولا‘ مجھے تم دونوں کے بارے میں رات ہی معلوم ہو گیا تھا۔ جمال تیرے بارے میں صرف آئی جی آفس میں ایک بندے کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ اس نے رات مجھے بتایا کہ تم قیدیوں والی گاڑی سے فرار ہوئے ہو۔تمہارا جگری دوست چھاکا بچ گیا ہے‘ وہ زندہ ہے مگر پولیس کی حراست میں ہے۔ جانی شوکر مارا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دو اور بندے......شاہ زیب کے زیادہ بندے مرے ہیں۔ میں چاہوں تو ابھی اور اسی وقت تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ تم فنکار ہو‘ چاہو تو ایک نئی زندگی کی ابتدا کر سکتے ہو‘ پولیس تمہیں بھول جائے گی۔ اور چھاکا‘ آج شام سے پہلے پولیس حراست سے باہر ہوگا۔‘‘ اس نے بڑی سنجیدگی اور یقین سے کہا تھا‘ میں حیران رہ گیا۔ میں نے اس پر کچھ کہنا چاہا تھا کہ اس نے اشارے سے مجھے روک دیا‘ پھر جسپال کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

’’اور تم......!تمہاری سب سے بڑی خامی وہی ہے جو تم نے مجھے نہیں بتائی۔‘‘

’’کون سی؟‘‘ وہ چونکا۔

''جسمیندر سنگھ، جس کا سہارا تم نے لیا' ارے ایسے کام کرنے ہوتے ہیں تو صرف اپنے زور بازو پر بھروسہ کیا جاتا ہے، شطرنج کے مہرے تو کسی دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔''

''آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟''

''میں اسے ہی نہیں، جس ریکٹ کے لیے وہ کام کر رہا ہے، میں اس کے چلانے والے کو بھی جانتا ہوں' تم نے محض بچوں والا کھیل کھیلا ہے' اب سنو...... ! بے چارہ انوجیت پولیس حراست میں ہے اور اس پر دباؤ ہے کہ تمہیں پیش کیا جائے' مگر تم تو یہاں ہو۔ بچپن سنگھ نے بہت بڑی غلطی کی کہ تمہیں سرحد پار بھیج دیا۔ یہ بھی ایک طرح سے اچھا ہوا' وہاں تمہاری بنیاد ہی نہیں تھی۔''

''اوہ...... ! بے چارا انوجیت۔'' جسپال نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا۔

''فکر نہیں کرو' وہ بھی آج شام سے پہلے پولیس حراست سے باہر آ جائے گا' ایف آئی آر بھی لکھوا دی ہے کہ رویندر سنگھ نے تمہیں اغوا کرا لیا ہے' اس سے بازیاب کروایا جائے۔ نیوز چینل پر جو کچھ بھی چل رہا ہے وہ سب غلط ہے اور ڈرامہ ہے۔'' مہر نے سکون سے کہا تو جسپال نے انتہائی حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ سب کچھ جانتے ہیں......؟''

''ہاں ایک اور بات، کیشیو مہرہ نے تمہاری طرف سے مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ بی جائیداد والا، اس کی بھی فکر نہ کرو' یہ کہتے ہوئے میر خدا بخش کے چہرے پر انتہائی درجے کی سنجیدگی تھی۔ اس پر جسپا یوں ہو گیا جیسے وہ ابھی پاگل ہو جائے گا۔ اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا

''آپ کون ہیں؟'' جسپال کے پوچھنے پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس پر تانی بھی ہنس دی' یوں لگا جیسے صحرا میں نقرئی گھنٹیاں بج گئی ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میرے بدن میں سنسنی پھیل گئی۔ جو کچھ دکھائی دے رہا تھا ویسا نہیں تھا۔

☆......☆......☆

(امجد جاوید کا یہ دلچسپ اور طویل ناول ابھی جاری ہے، باقی واقعات اگلی قسط میں پڑھیے)